فقہی احکام میں
نیت کی حیثیت

پیشکش:
مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

مؤلف: حضرت مولانا محمد عرفان عطاری مدنی مدظلہ العالی

www.dawateislami.net

فقہی احکام میں

نیت کی حیثیت

مؤلف

حضرت مولانا محمد عرفان عطاری مدنی مدظلہ العالی

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

چندماہ پہلے کروناوائرس (COVID 19) کی وجہ سے ملک بھر میں لاک ڈاؤن لگا جس کے باعث جامعات میں تعلیم وتعلم کا عمل تعطل کا شکار ہوا، ان دنوں مفتی اہلسنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد قاسم صاحب دام ظلہ العالی سے فون پر گفتگو کا شرف ملا، تو آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ الاشباہ والنظائر کی طرز پر کام کیا جائے، چنانچہ راقم الحراف نے اس عرصۂ لاک ڈاون میں ہی اس کام کا آغاز کیا۔ اولاً دو قواعد: " **لاثواب الابالنیۃ اور الامور بمقاصدھا** " پر کام کیا۔

اوراس کانام " **فقہی احکام میں نیت کی حیثیت** " رکھا۔

ان پر کام کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: اولا نیت سے متعلق بخاری شریف کی پہلی حدیث مبارک تحریر کرکے اس کی وضاحت تحریر کی گئی۔

۲: پھر عبادات، مباحات اور عقود و معاملات میں نیت کی شرعی حیثیت کے متعلق کلام کیا گیا ہے کہ کہاں اس عمل کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے اور کہاں صحت کے لیے شرط نہیں لیکن حصول ثواب کے لیے ضروری ہے۔ اس دوران جو صورتیں قواعد سے مستثنی ہیں، ان کا بھی ذکر کیا گیا۔

۳: ایک ہی کام کا مقصد وارادہ مختلف ہونے سے اس کے احکام میں جائز وناجائز ہونے کے اعتبار سے فرق آجانے پر امثلہ ذکر کی گئی ہیں۔

۴: نیت کے متعلق تفصیلی مباحث ذکر کی گئی ہیں، اس کے لیے درج ذیل عنوانات پر کلام کیا گیا ہے:

(1)نیت کی تعریف،(2)نیت کی مشروعیت کا مقصد،(3)نیت کی شرائط،(4)نیت کا محل،(5)نیت کے وقت کا بیان،(6)عبادت کے ہر رکن اور جزء میں نیت کا جاری رہنا شرط نہیں،(7)نیت میں اخلاص،(8)ایک ہی نیت سے دو عبادتیں جمع کرنا،(9)اور منوی کی تعیین وعدم تعیین۔

ان پر قدرے تفصیل سے کلام کیا گیا ہے،ضمناً کئی امور زیر بحث لائے گئے اور جو قواعد سے مستثنیٰ تھے،ان کا بھی ذکر کیا گیا۔

استدعا

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کتاب اغلاط سے محفوظ ہو لیکن بشری تقاضے کے تحت اغلاط سے مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا،لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ جسے کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے،وہ اطلاع کر دے،ان شاءاللہ عزوجل بعد تفتیش اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔ نیز راقم الحروف کو دعائے مغفرت میں یاد رکھیں۔

محمد عرفان عطاری مدنی

فہرست

موضوع	صفحہ نمبر
الفن الاول	15
القاعدۃ الاولیٰ	15
کس عمل کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے اور کس کے لیے نہیں	16
عبادات میں نیت کے متعلق تفصیل	16
وضو اور نیت	16
غسل اور نیت	18
موزوں پر مسح اور نیت	19
نجاست حقیقیہ کا ازالہ اور نیت	20
تیمم اور نیت	20
تیمم کتنی نیتوں سے درست ہوتا ہے	21
عبادات مقصودہ اور نیت	21
عبادات مقصودہ میں نیت کی حیثیت	21
استثنائی صورت	21
بغیر نیت اسلام کے درست ہونے پر دلیل اور اس کی علت	21

کفر کے لیے نیت ضروری ہے	22
مذاق میں کلمہ کفر بولنے کا حکم	22
نماز اور نیت	22
امامت اور نیت	23
استثنائی صورت	23
اقتداء اور نیت	23
قراءت قرآن اور نیت	24
سجدہ تلاوت، سجدہ سہو، سجدہ شکر اور نیت و تعیین	25
خطبہ جمعہ اور نیت	26
خطبات عیدین اور نیت	27
اذان اور نیت	27
استقبال قبلہ اور نیت	27
ستر عورت، وقت، نیت وغیرہ شرائط اور نیت	27
تکبیر تحریمہ اور نیت	28
زکاۃ اور نیت	28
مستثنیات	28

مال تجارت اور نیت	29
نیت تجارت کی اقسام	30
مال تجارت کی تعریف کی قیودات کے فوائد	31
مستثنیات	33
سائمہ جانور اور نیت	33
سائمہ کی تعریف کی قیودات کے فوائد	33
تجارت کا جانور سائمہ کیسے بنے گا؟	34
استثنائی صورت	34
روزہ اور نیت	34
حج وعمرہ اور نیت	35
حج وعمرہ میں نیت شرط ہونے کی وجہ	35
اعتکاف اور نیت	36
کفارات اور نیت	36
قربانی میں نیت اور اس کا وقت	36
بوقت خریداری نیت کافی ہونے کے فوائد	37
حج کی قربانی اور نیت	37

عقیقہ اور نیت	38
جہاد اور نیت	38
مباحات	38
چند مباحات کی تفصیل	38
وقف اور نیت	38
نکاح اور نیت	39
مذاق اور اکراہ یعنی مجبوری کے ساتھ نکاح	39
ثواب کے لیے نکاح میں نیت	39
نکاح کی شرعی حیثیت	39
وصیت اور نیت	41
قضا اور اس کے متعلقات اور نیت	41
کھانا کھانے کی شرعی حیثیت اور نیت	42
حصول مال حلال اور نیت	43
حلال وطی اور نیت	43
معاملات اور نیت	43
بیع و شراء (خرید و فروخت) اور نیت	43

مذاق اور مجبوری میں خرید وفروخت اور نیت	44
اقالہ (عقد ختم کرنا) اجارہ (کرائے پر دینا) اور نیت	44
ہبہ (گفٹ) اور نیت	44
ہبہ میں نیت نہ ہونے کا فائدہ	44
مجبوری میں ہبہ اور نیت	45
ہبہ کے الفاظ اور نیت	45
طلاق اور نیت	45
طلاق صریح اور نیت	45
صریح الفاظ میں نیت ضروری نہ ہونے پر فوائد واحکام	45
طلاق اور بیوی کا قصد	46
کنایہ اور نیت اور دلالت حال	47
رجعت (طلاق کے بعد رجوع) اور نیت	47
صریح میں نیت کی حاجت نہ ہونے کے فوائد	47
تفویضِ طلاق، خلع، ایلاء اور ظہار اور نیت	48
یمین باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات کی قسم اور نیت	48
قسم کے معاملے میں نیت ضروری نہ ہونے کے فوائد واحکام	48

قسم کے عموم والے الفاظ میں تخصیص کی نیت	49
تخصیص کی نیت میں اختلاف کا فائدہ	50
اقرار، وکالت، ودیعت رکھنا، عاریت پر دینا، تہمت لگانا، چوری کرنا اور نیت	50
تاوان اور نیت .	50
قصاص اور نیت	52
ترکِ اعمال اور نیت	52
محض نیت سے ترک عمل کا تحقق	53
دوسرا قاعدہ: (الامور بمقاصدھا)	54
نیت کے متعلق تفصیلی مباحث	58
نیت کی تعریف	58
لغوی تعریف	58
شرعی تعریف	58
محض حسن نیت پر ثواب	59
محض بری نیت سے گناہ	60
عبادت درست ہونے کے لیے کس قسم کی نیت چاہیے	61
عبادت کی درستی کے لیے پکا ارادہ کافی ہونے کا فائدہ	

اخلاص کا مطلب	62
ریاکاری کی دو قسمیں ہیں	62
عمل ترک کرنے میں ریاکاری	63
نیت کی مشروعیت کا مقصد	63
دوسری صورت کہ جس میں عبادات کا آپس میں امتیاز ہوتا ہے، اس کی تفصیل	64
نیت کی مشروعیت کا ایک مقصد عبادات میں امتیاز تھا، اس کا فائدہ	64
نیت کی شرائط	65
(الف) مسلمان ہونا	66
استثنائی صورت	66
کافر کا وضو وغسل	66
کافر پر غسل لازم نہ ہونا اور اس کے فوا	67
(ب) تمیز	68
(ج) منوی کا علم ہونا	68
استثنائی صورت	69
(د) نیت اور منوی کے درمیان کوئی منافی نہ آئے	70
مختلف کاموں کے منافی امور	70

ارتداد عبادات کے منافی ہے	70
نیتِ قطع (عمل ختم کرنے کی نیت) بھی منافی میں سے ہے	71
نماز، روزہ شروع ہو گیا تو نیت قطع عمل نہیں کرے گی	72
منافی میں سے تردد بھی ہے	73
نیت کا محل	74
مستثنیات	74
الفاظ طلاق سے بیوی کا قصد	76
زبان سے نیت کی شرعی حیثیت	77
مستثنیات	78
(الف) منت	78
(ب) وقف	78
نیت کا وقت	78
مقارنت حکمی کی تفصیل	78
نماز میں مقارنت حکمی	78
نیتِ اقتدا میں مقارنت حکمی	78
نیت امامت میں مقارنت حکمی	79

عبادت شروع کرنے کے بعد نیت	79
استثنائی صورتیں	79
زکوۃ میں مقارنت کی تفصیل	82
صدقہ فطر میں مقارنت کی تفصیل	83
وضو میں نیت کا وقت	84
غسل میں نیت کا وقت	84
تیمم میں نیت کا وقت	84
پانی کے بنیتِ قربت مستعمل ہونے کے لیے نیت کا وقت	85
حج وعمرہ میں نیت کا وقت	85
کیا ایک عبادت کے دوران دوسری عبادت کی نیت ہو سکتی ہے؟	86
تمام اجزائے عبادت کی ادائیگی کے وقت نیت کا ہونا ضروری نہیں	87
نیت میں اخلاص کا بیان	89
اخلاص کے معانی اور ان کا محل	89
اخلاص کے منافی امور	90
تفریعات	90
زکاۃ کی ادائیگی کے ساتھ حق معاوضہ یا غیر حق معاوضہ کی نیت	92

مستثنیات	92
طواف اور وقوف عرفہ کے معاملے میں وجہ فرق	95
دو عبادتوں کو جمع کرنے کی نیت	99
سورج گرہن، چاند گرہن اور استسقاء کی نمازوں کے لیے غسل کا حکم	99
جن دو عبادتوں کو جمع کرنے کی نیت کی ان کا تعلق عبادات مقصودہ سے ہے۔	100
مالی عبادت میں دو کی نیت کرنا	104
ایک وقت میں ایک سے زیادہ احرام کی نیت کی	105
منت اور یمین کو جمع کرنے کی صورتیں	107
نماز کی تکبیر سے تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع دونوں کی نیت کرنا	107
طوافِ فرض اور طوافِ وداع کی نیت سے طواف کیا	108
عبادت کے علاوہ اشیاء کو جمع کرنے کے حوالے سے تفصیل	108
منوی کی تعیین اور عدم تعیین	109
نماز کی تعیین وعدم تعیین کے متعلق تفصیل	110
روزے میں تعیین وعدم تعیین	114
حج میں تعیین وعدم تعیین	116
زکوۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر اور کفارات میں تعیین وعدم تعیین	116

جمعہ میں تعیین وعدم تعیین	117
تیمم میں تعیین وعدم تعیین	117
تعیین وعدم تعیین کا ضابطہ	117
تعیین میں خطا	119
جس کی تعیین ضروری نہیں، اس کی تعیین میں خطا ہونا مضر نہیں	119
جہاں تعیین ضروری ہے، وہاں خطا مضر ہے	119

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفن الاول

القاعدۃ الاولیٰ

"لاثواب الابالنیۃ" (نیت کے بغیر ثواب نہیں ہے۔)

عمل خواہ اپنی ذات میں عبادت ہو یا اپنی ذات میں عبادت نہ ہو، بلکہ مباح ہو ہر قسم کے عمل پر ثواب اسی صورت میں ملے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی رضا وغیرہ ثواب والی نیت کی جائے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی یہ آیت مقدسہ اس کے متعلق رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کہ دینے والے کے مال بڑھیں، تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں۔

(سورۃ الروم، پارہ 21، آیت 39)

تفسیر طبری میں اس آیت مبارکہ کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت ذکر کی گئی ہے: "عن ابن عباس قولہ: ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ قال: هو ما يعطي الناس بينهم بعضهم بعضاً، يعطي الرجل الرجل العطية، يريد أن يعطى أكثر منها" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کہ دینے والے کے مال بڑھیں، تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی) کے حوالے سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ دے۔

(تفسیر طبری، ج09، ص92، افغانستان)

اس کی ترجمانی اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں یوں ہے: "لوگوں کا دستور تھا کہ وہ دوست احباب اور آشناؤں کو یا اور کسی شخص کو اس نیّت سے ہدیہ دیتے تھے کہ وہ انہیں اس سے زیادہ دے گا۔ یہ جائز تو ہے، لیکن اس پر ثواب نہ ملے گا اور اس میں برکت نہ ہو گی، کیونکہ یہ عمل خالصاًللہ تعالیٰ نہیں ہوا۔"

اسی بناء پر امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے یہ تحریر فرمایا: "زید سرِ راہ بیٹھا تھا۔ ایک کھاتا پیتا ناآشنا سا گھوڑے پر سوار جارہا تھا۔ اس نے ہزار روپے اٹھا کر اُسے دے دیے کہ نہ صدقہ، نہ صلہ رحم، نہ محتاج کی اعانت، نہ دوست کی امداد، کوئی نیت صالحہ نہ تھی۔ نہ ریا یا نام وغیرہ کسی مقصد بد کا محل تھا۔ تو اسے ضرور حرکت عبث کہیں گے، اگرچہ واقع میں وہ اس کا کوئی ذی رحم ہو، جسے یہ نہ پہچانتا تھا۔ مقاصد شرعیہ پر نظر کرنے سے یہ حکم خوب منجلی ہوتا ہے۔ رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کہ دینے والے کے مال بڑھیں، تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے، تو انہیں کے دونے ہیں۔" (فتاوی رضویہ، ج01، ص1001، رضا فاونڈیشن، لاہور)

حدیث پاک سے اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"إنما الأعمال بالنیات." ترجمہ:اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے۔ (صحیح البخاری،ج01،ص02،مطبوعہ کراچی)

اسے بخاری، مسلم وغیرہ تمام اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے۔

یہاں اعمال کے حکم کی ایک قسم یعنی ثواب وعذاب مراد ہے کہ اعمال پر ثواب وعذاب کادارومدار نیتوں پر ہے۔اچھی نیت سے ثواب اور بری نیت سے عذاب کا استحقاق ہو گا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر حدیث پاک کو ظاہر پر رکھیں تو مطلب یہ بنے گا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے اعمال بغیر نیت وارادہ کے وقوع پذیر ہوتے ہیں، مثلاسوتے میں لوگ بولتے یاچلتے پھرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔جس سے واضح ہوا کہ یہاں "الأعمال" سے پہلے لفظ "حکم" محذوف ہے اور حکم کی دو قسمیں ہیں:ایک صحت وفساداور دوسری ثواب وعقاب۔دوسری قسم مراد ہونے پر اجماع ہے۔توجب دوسری مراد لے لی تو پہلی مراد لینے کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ یہاں حکم کالفظ ہم نے حدیث پاک کامعنی درست بنانے کی ضرورت کے تحت نکالا تھا اور ضرورت جتنے سے پوری ہو جائے تو معاملہ صرف اتنی حد تک محدود رکھا جاتا ہے۔لہذا ہم صرف یہی معنی مراد لیں گے۔تواب مطلب یہ ہو گا کہ "اعمال پر ثواب وعذاب کا استحقاق نیت سے ہی ہو گا۔" (الاشباہ والنظائر،ص24،مطبوعہ کراچی)

اوراس پر اجماع بھی ہے کہ ثواب وعذاب کا دار و مدار نیت پر ہے۔چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے:"الإجماع علی أنه لا ثواب ولا عقاب إلا بالنیة" ترجمہ:اس پر اجماع ہے کہ ثواب وسزا نہیں ہے، مگر نیت کے ساتھ۔ (الاشباہ والنظائر،ص24،مطبوعہ کراچی)

کس عمل کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے اور کس کے لیے نہیں؟

اس حدیث پاک سے یہ پتا چلا کہ عمل پر ثواب نیت سے ہی ملے گا، لیکن کس عمل کی صحت کے لیے نیت شرط ہے اور کس کے لیے نیت شرط نہیں ہے،اس کاذکر اس حدیث پاک میں نہیں ہے۔اس کے لیے تفصیل درج ذیل ہے:

اعمال مختلف اقسام کے ہیں:(1)عبادات،(2)مباحات،(3)عقود ومعاملات۔

عبادات میں نیت کے متعلق تفصیل

(1)عبادات کی دواقسام ہیں:(۱)غیر مقصودہ(۲)مقصودہ۔

(۱)عبادات غیر مقصودہ

وہ عبادات جو اپنی ذات میں اصل مقصود نہیں ہیں، بلکہ اصل مقصود دوسرے اعمال ہیں اور یہ ان کے لیے وسیلہ ہیں یعنی شرط ہیں، جیسے وضو، غسل، تیمم، موزوں پر مسح، نجاست حقیقیہ دور کرنا۔ان کی درستی کے لیے نیت شرط ہے یا نہیں؟اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وضواور نیت

کس وضو میں نیت شرط ہے اور کس میں نہیں ہے اور جس وضو میں نیت شرط نہیں تو وہاں نیت کا کیا مقام ہے،اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف)وضو کے نماز کی چابی بننے کے لیے نیت شرط نہیں، لہٰذا اگر کسی نے بغیر نیت کے وضو کرلیا، تو وہ نماز کے لیے چابی بن جائے گا، یعنی اس کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی، لیکن اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ ثواب کے لیے نیت ہونا شرط ہے۔ بحرالرائق میں ہے: "اعلم أن النية في غير التوضؤ بسؤر الحمار وبنبيذ التمر سنة مؤكدة على الصحيح وليست بشرط في كون الوضوء مفتاحا للصلاة۔۔۔۔قيدنا بقولنا في كونه مفتاحاً لأنها شرط في كونه سبباً للثواب على الأصح" ترجمہ: واضح ہو کہ گدھے کے جھوٹے اور نبیذ تمر کے علاوہ سے وضو کرنے میں نیت سنت مؤکدہ ہے صحیح قول کے مطابق۔ وضو کے نماز کی چابی بننے میں نیت شرط نہیں۔ نماز کی چابی بننے کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ ثواب کے لیے وضو کے سبب بننے میں اصح قول کے مطابق نیت شرط ہے۔

(البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، ج01، ص50، کوئٹہ)

الغرۃ المنیفۃ میں ہے: "العبادة على نوعين: مقصودة لذاتها كالصلاة وهي لا تصح إلا بالنية، وغير مقصودة لذاتها بل هي وسيلة لغيرها كالوضوء وغيره من الشرائط فإنه لا يراعى وجودها قصداً فيتحقق بدون النية" ترجمہ: عبادت کی دو قسمیں ہیں: (1) جو مقصود بالذات ہو جیسے نماز، یہ نیت کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ (2) جو مقصود بالذات نہ ہو بلکہ وہ غیر کے لیے وسیلہ ہو جیسے وضو اور دیگر شرائط نماز کہ ان کے قصداً پائے جانے کی رعایت نہیں کی جاتی، اس لیے یہ نیت کے بغیر بھی پائی جاتی ہیں۔

(الغرۃ المنیفۃ، کتاب الطہارۃ، ص20، بیروت)

(ب) وضو میں نیت وضو کے درست ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، لیکن سنت مؤکدہ ضرور ہے۔ جیسا کہ اوپر بحر کے حوالے سے گزرا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا عذر شرعی اس کے ترک پر اصرار سے انسان گنہگار ہو گا۔ ردالمحتار میں ہے: "(قوله: ويأثم بتركها) أي إثما يسيرا كما قدمناه عن الكشف، والمراد الترك بلا عذر على سبيل الإصرار كما قدمناه أيضا عن شرح التحرير وذلك لأنها سنة مؤكدة لمواظبته - صلى الله عليه وسلم - عليها كما حققه في الفتح "ترجمہ: (ان کا قول: اس کو چھوڑنے سے گنہگار ہو گا) یعنی تھوڑے گناہ کا مرتکب ہو گا، جیسا کہ ہم نے کشف کے حوالے سے پہلے ذکر کیا اور اس سے مقصود بلا عذر بطور اصرار ترک کرنا ہے، جیسا کہ ہم نے اسے بھی التحریر کی شرح کے حوالے سے پہلے ذکر کیا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی ہے، جیسا کہ فتح میں اسے ثابت کیا ہے۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، ج01، ص238، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں حاشیہ میں ہے: "مسئلہ: وضو میں نیت نہ کرنے کی عادت سے گنہگار ہو گا۔ اس میں نیت سنت مؤکدہ ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج01، جزء ب، ص914، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(ج) جو وضو نماز کی صحت کے لیے شرط ہے اس کے لیے نیت ضروری نہیں، لیکن وضوئے مستحب، جیسے وضو پر وضو، تو اس کے درست ہونے کے لیے نیت ضروری ہے، کیونکہ یہ وضو عبادت مقصودہ ہے، غیر مقصودہ نہیں کہ یہ وسیلہ نہیں ہے بلکہ مقصود ہے اور اسے کیا ہی ثواب کے لیے جاتا ہے اور ثواب تب ملتا ہے، جبکہ نیت ہو۔ لہٰذا اس کا حصول تبھی ہو گا کہ جب نیت ہو گی۔ الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: "قال: (والماء المستعمل لا يطهر الأحداث، وهو ما أزيل به حدث، أو استعمل في البدن على وجه القربة) كالوضوء على الوضوء بنية

العبادة"ترجمہ: فرمایا:(اور مستعمل پانی حدث کو پاک (یعنی حدث دور) نہیں کرتا اور یہ وہ پانی ہے جس سے حدث دور کیا گیا ہو، یا جسے بدن میں بطور قربت استعمال کیا گیا ہو۔) جیسے عبادت کی نیت سے وضو پر وضو کرنا۔ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الطھارۃ، ج01، ص22، مطبوعہ کراچی)

اس سے پتا چلا کہ وضو پر وضو قربت اور باعث ثواب اسی صورت میں بنے گا جبکہ عبادت کی نیت سے کیا جائے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:"جو وضو فرض ہے، وہ وسیلہ ہے کہ شرطِ صحت یا جواز ہے اور شروط وسائل ہوتے ہیں، مگر جو وضو مستحب ہے وہ صرف ترتبِ ثواب کے لیے مقرر فرمایا جاتا ہے۔۔۔وضوئے مستحب محتاجِ نیت ہوا اور وسائل محضہ محتاج نیت نہیں ہوتے۔۔۔تو ثابت ہوا کہ وضوئے مستحب وسیلہ نہیں۔ ملخصاً " (فتاوی رضویہ، ج01، جزء ب، ص950تا952، رضافاونڈیشن، لاہور)

غسل اور نیت

اسی طرح کس غسل میں نیت شرط ہے اور کس میں نہیں اور جس میں شرط نہیں، تو اس میں نیت کے متعلق کیا حکم ہے، اس کی تفصیل:

غسل بھی وضو کی طرح ہے۔ لہذا (الف) فرض غسل کے ادا ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کا غسل درست ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ غسل کرے تو اس کے قرآن پاک کو چھونے میں کوئی حرج نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "قال أبو حنیفة رحمه الله تعالی: أعلم النصراني الفقه والقرآن لعله یهتدي، ولا یمس المصحف، وإن اغتسل ثم مس لا بأس، کذا في الملتقط."ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: نصرانی کو فقہ اور قرآن سکھایا جائے تاکہ وہ ہدایت پائے، لیکن وہ قرآن کو نہ چھوئے اور اگر غسل کر کے چھوئے تو کوئی حرج نہیں۔ ملتقط میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ج05، ص323، کوئٹہ)

(ب) لیکن اس میں بھی ثواب کے لیے نیت شرط ہے۔ (ج) اور اس میں بھی نیت کرنا سنت ہے۔ (د) نیز سنت اور مستحب غسل کے لیے نیت شرط ہے۔ جیسا کہ مستحب وضو کے لیے نیت شرط ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:" یسن أن یبدأ بالنیة بقلبه ویقول بلسانه نویت الغسل لرفع الجنابة أو للجنابة "ترجمہ: دل کی نیت کے ساتھ ابتدا کرنا سنت ہے اور زبان سے یہ کہے: میں نے جنابت کو دور کرنے کے لیے یا جنابت کی وجہ سے غسل کی نیت کی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الطھارۃ، ج01، ص14، کوئٹہ)

مراقی الفلاح میں ہے:"یسن في الاغتسال اثنا عشر شیئاً. الأول الابتداء بالتسمیة، لعموم الحدیث:"کل أمر ذي بال". والابتداء ب"النیة"لیکون فعله تقرباً یثاب علیه کالوضوء"ترجمہ: غسل کرنے میں بارہ چیزیں سنت ہیں۔ (1) بسم اللہ سے ابتدا کرنا، کیونکہ یہ حدیث عام ہے:"ہر شان والا کام۔۔۔الخ" اور نیت کے ساتھ ابتدا کرنا، تاکہ اس کا یہ فعل وضو کی طرح عبادت قرار پائے جس پر اسے ثواب دیا جائے۔ (مراقی الفلاح، کتاب الطھارۃ، فصل فی سنن الغسل، ص73، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(ہ) غسلِ میت میں کچھ تفصیل ہے کہ میت کا غسل درست ہونے کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، بغیر نیت وارادہ اس پر پانی بہا دیا بلکہ اگر خود بہہ گیا، مثلاً میت پانی میں گر گئی اور سارے بدن پر پانی بہہ گیا، تو غسل درست ہو گیا کہ اب اگر اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، تو نماز درست ہو جائے گی۔ ہاں بندوں پر سے فرض کفایہ اترنے کے لیے نیت ضروری ہے اور اس کی نیت میں صرف فعلِ غسل کا قصد کرنا کافی ہے، میت کو غسل

دینے کی نیت کرنا ضروری نہیں۔اسی طرح شریعت کا حکم بجالانے کی نیت یا کسی بھی طرح ثواب کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ہاں ثواب حاصل کرنے کے لیے ثواب کی نیت کرنا ضروری ہے۔

فتح القدیر میں ہے:"وهل يشترط للغسل النية؟. الظاهر أنه يشترط لإسقاط وجوبه عن المكلف لا لتحصيل طهارته هو وشرط صحة الصلاة عليه عن أبي يوسف في الميت إذا أصابه المطر أو جرى عليه الماء لا ينوب عن الغسل؛ لأنا أمرنا بالغسل. انتهى. ولأنا لم نقض حقه بعد."ترجمہ: کیا غسل کے لیے نیت شرط ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ مکلف سے واجب کو ساقط کرنے لیے شرط ہے،میت کو پاک کرنے کے لیے شرط نہیں ہے اور میت پر نماز کے درست ہونے کے لیے شرط ہے۔میت اگر بارش میں بھیگ جائے یا اس پر (کسی اور طرح سے) پانی پڑ جائے، تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ غسل کے قائم مقام نہیں ہو گا، کیونکہ ہمیں غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے۔انتہی اور اس وجہ سے کہ ابھی تک ہم نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (فتح القدیر، فصل فی الغسل، ج02، ص109، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے:"اگر میت دریا میں ملے تو جب تک اَحیا اپنے قصد سے اسے پانی میں جنبش نہ دیں اُن پر سے فرض نہ اُترے گا، مگر میت کے سب بدن پر پانی گزر گیا، تو اُسے طہارت حاصل ہو گئی، یونہی بے غسل دیے اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور خاص غسلِ میت کی نیت تو اَحیا پر بھی ضرور نہیں، اپنا قصدی فعل کافی ہے۔یہی اس مسئلہ میں توفیق و تحقیق ہے ------وغسل الميت له وجهان؛ وجه الى الشرطية وهو عدم صحة الصلاة عليه بدون الطهارة، وهذا مايكفى فيه وجوده بلا ايجاده كطهارة الحى، ووجه الى الفرضية علينا ولا يتأتى الا بفعل توقعه قصدا ولولم تقصد العبادة المامور بها. وهذا معنى قول ابى يوسف، لانا امرنا بالغسل. وقول المحيط ان الخطاب يتوجه الى بنى أدم. وبهذا تتفق الكلمات ويظهر مافى كلام الغنية، ولله الحمد۔ (ترجمہ: غسل میت کی دو وجہیں ہیں۔ایک تو شرطیہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ اس پر نماز بلا طہارت جائز نہیں اور اس صورت میں غسل کا وجود کافی ہے، خواہ اس کی طرف سے ایجاد نہ ہو، جیسے زندہ انسان کی پاکی اور ایک وجہ ہم پر فرضیت کی ہے اور یہ اُسی فعل سے ادا ہو سکتی ہے جو قصداً کیا جائے، اگرچہ مامور بہا عبادت کا قصد نہ کیا جائے اور یہی مفہوم ہے حضرت امام ابو یوسف کے قول"اس لیے کہ ہم کو غسل کا حکم دیا گیا ہے"کا اور محیط کے اس قول"کہ خطاب بنو آدم کی طرف متوجہ ہے"کا بھی یہی مفہوم ہے، اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق ہو جائے گی اور جو غنیہ میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا۔وللہ الحمد)۔"

(فتاوی رضویہ، ج02، ص115 تا117، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

موزوں پر مسح اور نیت

یہ وضو ہی کا حصہ ہے، لہذا وضو کی طرح اس کے صحیح ہونے کے لیے بھی نیت شرط نہیں ہے۔تبیین الحقائق میں ہے:"(ولا يفتقر إلى النية في مسح الخف والرأس)---لأنه طهارة بالماء فلا يفتقر إلى النية كالوضوء؛ ولأنه بعض الوضوء فصار كمسح الرأس والجبيرة"ترجمہ:(موزوں اور سر کے مسح میں نیت کی ضرورت نہیں) کیونکہ یہ پانی سے پاکی حاصل کرنا ہے، تو یہ (بھی) وضو کی طرح نیت کا محتاج نہیں اور اس لیے کہ یہ وضو کا ہی جز ہے تو یہ سر اور پٹی کے مسح کی طرح ہو گیا۔ (تبیین الحقائق، کتاب الطہارۃ، ج01، ص54، کوئٹہ)

نجاست حقیقیہ کا ازالہ اور نیت

کپڑے اور بدن کو پاک رکھنا شرعا مطلوب ہے اور یہ عبادت ہے، نماز کے لیے شرط بھی ہے، لیکن یہ عبادت غیر مقصودہ ہے، تو اس کے درست ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے کہ شرائط کا وجود مطلوب ہوتا ہے، وہ کسی بھی طرح پایا جائے، ہاں اس پر ثواب کے لیے نیت شرط ہے۔

الغرۃ المنیفۃ میں ہے:" لا نسلم أن كل عبادة تحتاج إلى النية فإن تطهير الثوب مأمور به وعبادة بقوله تعالى: {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} ــــ وغير ذلك ومع هذا لا يشترط لهذه الأشياء النية، على ان العبادة على نوعين: مقصودة لذاتها كالصلاة وهي لا تصح إلا بالنية، وغير مقصودة لذاتها بل هي وسيلة لغيرها كالوضوء وغيره من الشرائط فإنه لا يراعي وجودها قصداً فيتحقق بدون النية "ترجمہ: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ہر عبادت محتاج نیت ہے، کیونکہ کپڑے پاک کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ کی وجہ سے مامور بہ اور عبادت ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی احکام ہیں، اس کے باوجود ان اشیاء کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ مزید یہ کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں: (1) جو مقصود بالذات ہو جیسے نماز، یہ نیت کے بغیر درست نہیں ہوتی (2) جو مقصود بالذات نہ ہو، بلکہ وہ غیر کے لیے وسیلہ ہو، جیسے وضو اور دیگر شرائط نماز۔ ان کے قصداً پائے جانے کی رعایت نہیں کی جاتی، اس لیے یہ نیت کے بغیر بھی پائی جاتی ہیں۔

(الغرۃ المنیفۃ، کتاب الطہارۃ، ص20، بیروت)

تیمم اور نیت

تیمم کے صحیح ہونے کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تیمم کا مطلب ہی قصد و ارادہ کرنا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا: "فتيمموا صعيدا طيبا" پس تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ تو یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم میں ارادہ کرنا ضروری ہے۔

در مختار میں تیمم کے متعلق فرمایا: "وشرطه ستة: النية ــــ الخ "ترجمہ: اس کی چھ شرائط ہیں: (1) نیت۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج01، ص437، کوئٹہ)

التحقیق الباہر میں ہے: " لا تكون شرط صحة العبادة ــــ في العبادات التي تكون وسائل ماعدا التيمم. "ترجمہ: جو عبادات وسیلہ ہیں ان کے درست ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے، سوائے تیمم کے۔ (التحقیق الباہر، ج01، ص65، مخطوطہ)

بدائع الصنائع میں تیمم میں نیت شرط ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: " لأن مأخذ الاسم دليل كونها شرطا لما ذكرنا أنه ينبئ عن القصد، والنية هي القصد فلا يتحقق بدونها " اس لیے کہ لفظ تیمم کا ماخذ نیت کے شرط ہونے پر دلیل ہے، اس کی وجہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ یہ قصد سے خبر دیتا ہے اور نیت قصد ہی ہے، لہٰذا تیمم نیت کے بغیر نہیں پایا جائے گا۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، فصل فی التیمم، ج01، ص178، کوئٹہ)

الاشباہ والنظائر میں تیمم میں نیت شرط ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "واما اشتراطها في التيمم فلدلالة آيته عليه لانه القصد "ترجمہ: بہر حال تیمم میں نیت کو شرط قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ تیمم کی آیت اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ قصد ہی ہے۔

(الاشباہ والنظائر، ص25، مطبوعہ کراچی)

تیمم کتنی نیتوں سے درست ہوتا ہے۔

تیمم دس نیتوں سے ہو سکتا ہے، اس کے حوالے سے ایک جامع عبارت فتاوی رضویہ سے پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ

فتاوی رضویہ میں یوں ہے: "اقول: تیمم دس نیتوں سے صحیح ہے: (۱) نیت رفع حدثِ اصغر یا (۲) اکبر یا (۳) مطلق حدث (۴) نیتِ وضو یا (۵) غسل یا (۶) مطلق طہارت (۷) نیت استباحت نماز (۸) نیت عبادتِ مقصودہ مشروط بہ طہارت (۹) نیت عبادت دیگر غیر مقصودہ یا غیر مشروطہ یا غیر مقصودہ و غیر مشروطہ (۱۰) نیت اُس تاکیدی مطلوب شرع کی کہ اگر پانی سے طہارت کریں تو بلا بدل فوت ہو جائے۔ دسویں صورت پانی ہوتے ہوئے بھی ممکن ہے اور پہلی نو اُسی وقت روا ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ پہلی آٹھ کی نیت سے ہر نماز بھی بے تکلّف ادا ہو سکتی ہے، اگرچہ کسی اور عبادت کی غرض سے کیا ہو اور نویں سے کوئی نماز ادا نہ ہو گی اور دسویں سے خاص وہی نماز ادا ہو گی جس کی ضرورت سے کیا ہے، نہ دوسری اگرچہ وہ بھی اسی قسم فائت بے بدل بلکہ اسی کی نوع سے ہو، مثلاً نمازِ جنازہ قائم ہُوئی وضو کرے تو چاروں تکبیریں ہو چکیں گی، اسے تیمم سے پڑھا اتنے میں اور جنازہ آگیا اگر وضو کر سکتا ہے اس دوسرے کے لیے وضو لازم ہے، اگر وضو کا وقفہ تھا اور نہ کیا، اب وضو کا وقفہ نہ رہا تو اس کے لیے دوسرا تیمم کرے پہلا جاتا رہا۔ ہاں اگر دوسرے جنازے کی نماز ایسی بلا فصل برپا ہُوئی کہ بیچ میں وضو نہ کر سکتا تو اُسی پہلے تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور یہاں نیت استباحتِ نماز کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ مانعیت جو میرے اعضا سے قائم ہے، دُور ہو جائے کہ بے اُس کے اباحت نماز نہیں ہو سکتی، وہی اس کا طریقہ معینہ ہے۔ رہا کسی اور عبادت کی غرض سے تیمم مشروطہ میں قطعاً یہی قصد قلبی ہو گا کہ اس عبادت کے ادا کرنے کے قابل ہو جاؤں اور نیت اسی قصد دلی کا نام ہے، تو اسے نیت استباحت اور اسے نیت رفع حدث لازم اور غیر میں قصد طہارت خود ظاہر کہ یہ تیمم نہ کیا مگر اداباً کہ عبادت بے طہارت نہ کروں۔" (فتاوی رضویہ، ج03، ص570-571، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(۲) عبادات مقصودہ

وہ عبادات جو اپنی ذات میں اصل مقصود ہیں، کسی دوسرے عمل کے لیے وسیلہ نہیں ہیں۔ مثلا نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ۔

عبادات مقصودہ میں نیت کی حیثیت

جتنی عبادات مقصودہ ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ ان سب کے درست ہونے کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے۔

استثنائی صورت

ہاں ایک عبادت مقصودہ ایسی ہے کہ اس کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے اور وہ ہے "اسلام" کہ وہ بغیر نیت بھی درست ہو جاتا ہے۔

بغیر نیت کے اسلام درست ہونے پر دلیل اور اس کی علت

اس پر دلیل فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ: "مکرہ کا اسلام درست ہے۔"

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت کی مشروعیت کا مقصد عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا، یا ایک عبادت کے دوسری عبادت کے ساتھ التباس سے اس کو بچانا ہے، جبکہ ایمان واسلام ایسی چیز ہے کہ یہ صرف عبادت ہی بنتی ہے اور اس میں کسی کے ساتھ التباس بھی نہیں ہوتا۔ لہذا اس کے لیے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ التحقیق الباھر میں ہے: "النیۃ شرط صحۃ العبادۃ فی الصلوۃ والصوم والحج مطلقا فرضھا ونفلھا، وکذلک

فی غیرھامن سائر العبادات المقصودۃ ماعدا الاسلام." **ترجمہ: نماز، روزہ اور حج میں عبادت کے درست ہونے کے لیے مطلقا نیت شرط ہے، چاہے یہ عبادات فرض ہوں یا نفل اور اسی طرح سوائے اسلام قبول کرنے کے باقی تمام عبادات مقصودہ میں۔**

(التحقیق الباھر، ج01، ص65، مخطوطہ)

مجمع الانہر میں مکرہ کے متعلق فرمایا:"(و) کذا یصح (إسلامه) أي إذا أسلم مکرھا یحکم علیه بالإسلام"ترجمہ: اور اسی طرح اس کا اسلام درست ہے، یعنی جب حالت اکراہ میں اسلام قبول کیا تو اس پر اسلام قبول کرنے کا ہی حکم دیا جائے گا۔

(مجمع الانہر، کتاب الاکراہ، ج04، ص47، کوئٹہ)

کفر کے لیے نیت ضروری اور اس کی وجہ

کفر کے لیے نیت شرط ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ:"مکرہ کا کفر درست نہیں"

مذاق میں کلمہ کفر بولنے کا حکم اور اس کی وجہ

ہاں مذاق میں کلمہ کفر بکنے پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عین کفر ہے اور عین کو کسی طرح بھی اپنایا جائے، تو اس کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے"فالمکرہ علی الکفر لا یحکم بکفرہ إذا کان قلبه مطمئنا بالإیمان، بخلاف المکرہ علی الإیمان أنه یحکم بإیمانه"ترجمہ: حالت اکراہ میں کفر کرنے والے پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، برخلاف حالت اکراہ میں ایمان قبول کرنے والے کے کہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الاکراہ، ج6، ص188، کوئٹہ)

مجمع الانہر میں ہے:"من تکلم بکلمة الکفر ھازلاً أو لاعباً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ، ومن تکلم بھا خطأً أو مکرھاً لا یکفر عند الکل."ترجمہ: جس نے مذاق یا کھیل کود میں کلمہ کفر کہا، تو وہ سب کے نزدیک کافر ہو گیا اور اس کے عقیدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جس نے غلطی سے یا حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہا تو سب کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوا۔ (مجمع الانھر، ج02، ص502، کوئٹہ)

الاشباہ میں ہے:"واما قولھم: انه اذا تکلم بکلمة الکفر ھازلاً یکفر، انما ھو باعتبار ان عینه کفر."ترجمہ: بہر حال ان کا قول: جب اس نے مذاق میں کلمہ کفر کہا، تو وہ کافر ہو گیا۔ یہ اس اعتبار سے ہے کہ اس کا عین کفر ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص25، مطبوعہ کراچی)

نماز اور نیت

نماز خواہ فرض پنجگانہ ہو یا جنازہ یا واجب یا سنت و نفل ہر ایک کے درست ہونے کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "فلا تصح صلاۃ مطلقا ولو صلاۃ جنازۃ الا بھا فرضا او واجبا اوسنة او نفلا"ترجمہ: لہٰذا نیت کے بغیر مطلقا نماز درست نہیں ہو گی، چاہے فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل۔ (الاشباہ والنظائر، ص25، مطبوعہ کراچی)

امامت اور نیت

امام کے لیے عمومی حالات میں نیتِ امامت کرنا، مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ یعنی اگر امام نے امامت کی نیت نہ بھی کی تو مقتدی اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر صراحتاً نفی کر دے کہ میں فلاں کا امام نہیں، تب بھی فلاں اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ ہاں، ثوابِ امامت کے حاصل کرنے کے لیے نیتِ امامت ضروری ہے کہ اگر نیتِ امامت نہ کی تو امامت کا ثواب نہیں ملے گا۔

استثنائی صورت

مگر ایک صورت میں صحتِ اقتدا کے لیے بھی نیت ضروری ہے اور وہ یہ کہ:

"عورت مرد کے محاذی (برابر) ہے اور جنازے کے علاوہ کوئی اور نماز ہے" تو ایسی صورت میں عورت کی نماز درست ہونے کے لیے اس کا امام ہونے کی نیت کرنا ضروری ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: " والإمام ينوي ما ينوي المنفرد، ولا يحتاج إلى نية الإمامة، حتى لو نوى أن لا يؤم فلانا فجاء فلان واقتدى به جاز. هكذا في فتاوى قاضي خان. ولا يصير إماما للنساء إلا بالنية. هكذا في المحيط. "ترجمہ: امام اسی طرح نیت کرے گا جیسے تنہا پڑھنے والا کرتا ہے اور اسے امامت کی نیت کرنے کی حاجت نہیں ہے، حتی کہ اگر اس نے نیت کی کہ وہ فلاں کا امام نہیں ہے، پھر وہ فلاں شخص آیا اور اس نے اس کی اقتدا کی تو اس کی نماز درست ہو گی۔ اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے۔ البتہ یہ عورتوں کا امام نیت کے ساتھ ہی ہو گا، اسی طرح محیط میں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، الباب الثالث، الفصل الرابع فی النیۃ، ج01، ص66، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: " (والإمام ينوي صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدي) بل لنيل الثواب ---- فإن اقتدت به) المرأة (محاذية لرجل في غير صلاة جنازة، فلا بد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها) "ترجمہ: امام فقط اپنی نماز کی نیت کرے گا اور اقتدا درست ہونے کے لیے اس کا مقتدیوں کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ یہ نیت ثواب کے حصول کے لیے ہے۔ پس اگر کسی ایسی عورت نے اس کی اقتدا کی جو نماز جنازہ کے علاوہ کسی نماز میں مرد کے محاذی ہو تو اس عورت کی نماز درست ہونے کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، باب شروط الصلوۃ، ج2، ص128-129، کوئٹہ)

اقتدا اور نیت

مقتدی کی اقتدا کے درست ہونے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ولو كان مقتدياً ينوي ما ينوي المنفرد وينوي الاقتداء أيضا؛ لأن الاقتداء لا يجوز بدون النية. كذا في فتاوى قاضي خان. "ترجمہ: اگر مقتدی ہو تو تنہا شخص والی نیت کرے اور ساتھ اقتدا کی بھی نیت کرے، کیونکہ اقتدا نیت کے بغیر درست نہیں، فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، ج01، ص66، کوئٹہ)

قراءت قرآن اور نیت

قرآن پاک میں موجود الفاظ کی طرح کے الفاظ ادا کیے اور اس سے مقصود قرآن پاک پڑھنا نہیں، بلکہ کوئی ذکر یا کوئی دوسرا مقصد ہے تو بعض مقامات پر یہ نیت معتبر ہو گی اور یہ تلاوت شمار نہیں ہو گی اور بعض جگہ معتبر نہیں، لہذا تلاوت ہی شمار ہو گی، اس کے حوالے سے تفصیل:

(الف) قرآن پاک کی وہ آیات جو دعاو ثنا پر مشتمل ہوں، جنبی وحائضہ کو بنیتِ دعاو ثنا پڑھنا جائز ہے۔ تو یہاں نیت سے تلاوت شمار نہ ہو گی، بلکہ ثناو دعا شمار ہو گی۔

(ب) نمازی نے کسی کو الفاظِ قرآن سے خطاب کیا، تو نماز فاسد ہو جائے گی کہ اب وہ تلاوت نہیں، بلکہ دنیاوی کلام ہے۔ بحر الرائق میں ہے: "عن علي - رضي الله عنه - قال اقرءوا القرآن ما لم يصب أحدكم جنابة، فإن أصابه فلا ولا حرفا واحدا، ثم قال: وهو الصحيح عن علي. وهذا كله إذا قرأ على قصد أنه قرآن، أما إذا قرأه على قصد الثناء أو افتتاح أمر لا يمنع في أصح الروايات. وفي التسمية اتفاق أنه لا يمنع إذا كان على قصد الثناء أو افتتاح أمر، كذا في الخلاصة وفي العيون لأبي الليث. ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئاً من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم يرد به القراءة فلا بأس به اهـ." ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کرو جب تک تم میں سے کوئی جنبی نہ ہو۔ لیکن اگر وہ جنبی ہو تو نہ قرآن پڑھے اور نہ (اس کا کوئی) ایک حرف۔ پھر فرمایا حضرت علی سے یہی صحیح ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب بقصد قرآن پڑھے۔ بہر حال جب وہ بقصد ثنا یا کام شروع کرنے کے لیے پڑھے تو اصح روایت میں ممانعت نہیں ہے اور بسم اللہ شریف کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ جب ثنا کے قصد سے یا کسی کام کو شروع کرنے کے لیے ہو تو ممنوع نہیں ہے۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے اور فقیہ ابو اللیث کی عیون میں ہے: اگر سورہ فاتحہ بطور دعا پڑھی یا ان آیات میں سے کوئی آیت جن میں معنیٰ دعا موجود ہے اور اس سے قرآن مجید کی قراءت کا قصد نہیں کیا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(البحر الرائق، ج01، ص346، کوئٹہ)

منحۃ الخالق میں ہے: "وكونه لم يتغير بعزيمته ممنوع، كما ذكره في الفتح. قال في النهر ألا ترى أن الجنب إذا قرأ الفاتحة على قصد الثناء جاز. اهـ. وقد ذكروا أشياء تفسد اتفاقاً كما لو كان بين يديه كتاب وعنده رجل اسمه يحيى فقال: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ ونحوها." ترجمہ: اور اس کا اس طرح ہونا کہ **اس کے ارادے سے وہ تبدیل نہ ہوا، یہ ممنوع ہے**، جیسا کہ اسے فتح میں ذکر کیا ہے۔ نہر میں فرمایا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ جنبی جب بطور ثنا، سورہ فاتحہ پڑھے تو جائز ہے اور انہوں نے کچھ ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جو بالاتفاق نماز کو فاسد کر دیتی ہیں، جیسا کہ اگر اس کے سامنے کتاب رکھی ہو اور اس کے پاس یحییٰ نامی شخص موجود ہو، پس وہ کہے: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑو) اور اسی کی مثل۔ (منحۃ الخالق مع البحر الرائق، ج01، ص638، کوئٹہ)

(ج) اسی طرح جنازہ میں سورہ فاتحہ بنیت ثنا پڑھنے سے تلاوت شمار نہیں ہو گی کہ جنازہ قراءت کا محل نہیں کہ اس میں قراءت ممنوع ہے۔ پس نیت سے تبدیلی ہو جائے گی۔ بدائع الصنائع میں ہے: "ولا يقرأ في الصلاة على الجنازة بشيء من القرآن، ---وعندنا لو قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء والثناء لم يكره" ترجمہ: نماز جنازہ میں قرآن پاک میں سے کچھ نہ پڑھے اور ہمارے نزدیک اگر بطور دعاو ثنا سورہ فاتحہ پڑھی تو مکروہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع، ج02، ص52، کوئٹہ)

(د) لیکن جنازہ کے علاوہ نماز میں قیام کی حالت میں سورہ فاتحہ بنیت ثنا پڑھی، تو اس سے تبدیلی نہیں ہو گی کہ یہ اپنے محل میں تلاوت ہے، لہذا قصد سے تلاوت ہونے سے خارج نہ ہو گی۔ البحر الرائق میں ہے: "والمنقول في التجنيس: أنه إذا قرأ في الصلاة فاتحة الكتاب على

قصد الثناء جازت صلاته، لأنه وجدت القراءة في محلها فلا يتغير حكمها بقصد. اهـ."ترجمہ: تجنیس میں منقول ہے: جب نماز میں سورہ فاتحہ بقصد ثنا پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے، کیونکہ قراءت اپنے محل میں پائی گئی، لہٰذا قصد کی وجہ سے اس کا حکم تبدیل نہیں ہو گا۔
(البحر الرائق، باب الحیض، ج 01، ص 374، کوئٹہ)

تبیین الحقائق میں ہے:" الكلام مبني على قصد المتكلم، فإن من قال ﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ وأراد به خطابه يكون كلاماً مفسداً لا قراءة القرآن، وكذا لو قال لرجل اسمه يحيى ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ [مريم: 12] وأراد به الخطاب، ولهذا لو قرأ الجنب الفاتحة على نية الثناء والدعاء دون القراءة يجوز، وكذا لو قرأها في صلاة الجنازة على نية الدعاء دون القراءة تجوز وإن لم تشرع فيها القراءة لما قلنا."ترجمہ: یہ کلام متکلم کے قصد پر مبنی ہے۔ پس جس نے کہا: ﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ (اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا) اور اس نے اس کے ساتھ بیٹے کو خطاب کا ارادہ کیا، نہ کہ قرآن کی تلاوت کا، تو یہ کلام نماز کو توڑنے والا ہے۔ اسی طرح اگر یحییٰ نامی شخص سے کہا: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو) اور اس سے خطاب مراد لیا۔ اسی وجہ سے اگر جنبی نے بنیت ثنا و دعا، نہ کہ بنیت قراءت سورہ فاتحہ پڑھی تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر اس نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بنیت دعا پڑھی، نہ کہ بنیت قراءت، تو جائز ہے۔ اگرچہ نماز جنازہ میں قراءت درست نہیں ہے، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔ (تبیین الحقائق، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، ج 01، ص 157، ملتان)

سجدہ تلاوت، سجدہ سہو، سجدہ شکر اور نیت و تعیین

ان تمام سجدوں کے درست ہونے کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے، بلکہ ان میں سجدہ کی نیت کے ساتھ ساتھ تعیین بھی کرنا ہو گی کہ کونسا سجدہ کر رہا ہوں۔ ہاں سجدہ تلاوت اگر نماز میں کیا اور آیت سجدہ کے فوراً بعد سجدہ کر لیا، تو تعیین ضروری نہیں۔

سجدہ تلاوت کے متعلق بدائع الصنائع میں ہے: "ويشترط النية لأنها عبادة فلا تصح بدون النية." ترجمہ: نیت شرط ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے، لہٰذا یہ نیت کے بغیر درست نہ ہو گی۔ (بدائع الصنائع، ج 01، ص 441، کوئٹہ)

درمختار میں ہے:" (ولا بد من التعيين عند النية) ـــ (لفرض) أنه ظهر أو عصر ـــ (وواجب) أنه وتر أو نذر أو سجود تلاوة وكذا شكر، بخلاف سهو." ترجمہ: فرض کی نیت کے وقت تعیین ضروری ہے کہ یہ نماز ظہر ہے یا عصر ہے اور واجب کی نیت کے وقت تعیین ضروری ہے کہ یہ وتر ہے یا نذر کی نماز ہے یا سجود تلاوت۔ اسی طرح سجود شکر کے لیے، برخلاف سجود سہو کے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:" (قوله أو سجود تلاوة) إلا إذا تلاها في الصلاة وسجدها فورا، ولا يجب تعيين السجدات التلاوية لو تكررت التلاوة كما سيأتي في بابه إن شاء الله تعالى (قوله وكذا شكر بخلاف سهو) الذي رأيته في النهر بحثا عكس ما ذكره الشارح، ولعل الأوجه ما هنا بالنسبة إلى سجود الشكر فقط، لأن السجود قد يكون لسبب كالتلاوة والشكر، وقد يكون بدونه كما يفعله العوام بعد الصلاة وهو مكروه كما نص عليه الزاهدي، فلما وجد المزاحم لا بد من التعيين لبيان السبب، وإلا كان مكروها اتفاقا ـــ ثم رأيت في الأشباه قال: ولا تصح صلاة مطلقا إلا بنية، ثم قال: وسجود التلاوة كالصلاة، وكذا سجدة الشكر وسجود السهو، اهـ. ولعل هذا هو الأظهر."ترجمہ: (ان کا قول: یا سجود تلاوت) مگر جب اس نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور فوراً سجدہ کر لیا اور اگر کئی مرتبہ تلاوت کی ہو تو سجدوں میں تعیین کرنا واجب نہیں ہے، جیسا کہ اس کے باب

میں ان شاء اللہ آئے گا۔(ان کا قول: اسی طرح سجود شکر برخلاف سجود سہو کے) نہر میں جو میں نے بطور بحث دیکھا وہ اس کے خلاف ہے، جو شارح نے ذکر کیا اور شاید کہ جو یہاں ہے وہ صرف سجود شکر کے اعتبار سے اَوجہ ہے۔ اس لیے کہ سجدے کبھی کسی سبب سے ہوتے ہیں، جیسے تلاوت اور شکر اور کبھی بغیر سبب کے ہوتے ہیں جیسے عوام نماز کے بعد کرتے ہیں، حالانکہ یہ مکروہ ہے، جیسا کہ زاہدی نے اس پر نص فرمائی ہے۔ پس جب مانع پایا گیا تو بیان سبب کے لیے تعیین ضروری ہے، ورنہ یہ بالاتفاق مکروہ ہو گا۔ پھر میں نے اشباہ میں دیکھا، انہوں نے فرمایا: نماز مطلقا نیت کے بغیر درست نہیں، پھر فرمایا: سجود تلاوت نماز کی طرح ہیں، اسی طرح سجدہ شکر اور سہو کے سجدے اور ممکن ہے کہ یہی اظہر ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، ج02، ص117 تا 121، کوئٹہ)

خطبہ جمعہ اور نیت

خطبہ جمعہ کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ خطبہ ذکر الٰہی کا نام ہے۔ اگرچہ صرف ایک مرتبہ الحمد للہ، یا سبحان اللہ، یا لا الہ الا اللہ کہا، اسی سے خطبہ کا فرض ادا ہو گیا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ یہ الفاظ خطبہ کی نیت سے کہے جائیں۔ لہذا اگر منبر پر جانے کے بعد چھینک آئی اس کی نیت سے الحمد للہ کہا یا تعجب کے طور پر سبحان اللہ یا کوئی اور ذکر کیا، خطبہ مقصود نہ تھا، تو اس سے خطبہ ادا نہ ہوا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "الخطبة تشتمل على فرض وسنة، فالفرض شيئان؛ الوقت وهو بعد الزوال وقبل الصلاة، حتى لو خطب قبل الزوال أو بعد الصلاة لا يجوز، هكذا في العيني شرح الهداية، والثاني ذكر الله تعالى، كذا في البحر الرائق وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة، كذا في المتون. هذا إذا كان على قصد الخطبة أما إذا عطس فحمد الله أو سبح أو هلل متعجباً من شيء لا ينوب عن الخطبة إجماعاً، كذا في الجوهرة النيرة." ترجمہ: خطبہ فرض و سنت پر مشتمل ہے۔ فرض دو چیزیں ہیں: (1) وقت اور وہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے ہے۔ یہاں تک کہ اگر زوال سے پہلے خطبہ دیا یا نماز کے بعد تو جائز نہیں، اسی طرح عینی شرح ہدایہ میں ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کا ذکر، بحر الرائق میں اسی طرح ہے اور ایک مرتبہ الحمد اللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا کافی ہے، متون میں اسی طرح ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب یہ الفاظ خطبہ کی نیت سے ہوں۔ اگر چھینک آنے پر الحمد للہ کہا یا کسی چیز سے تعجب کی وجہ سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہا، تو یہ بالاجماع خطبے کا قائم مقام نہ ہو گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، ج01، ص146، کوئٹہ)

خطبات عیدین اور نیت

عیدین کے خطبات کی ادائیگی کے لیے بھی نیت شرط ہے، کیونکہ ان کی وہی تمام شرائط ہیں جو خطبہ جمعہ کی ہیں۔ صرف ایک بات میں فرق ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور یہ نماز کے بعد۔ الاشباہ میں خطبہ جمعہ کی نیت کے شرط ہونے کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "وخطبة العيدين كذلك لقولهم: يشترط لها ما يشترط لخطبة الجمعة، سوى تقديم الخطبة." ترجمہ: اور عیدین کا خطبہ اسی طرح ہے، کیونکہ فقہاء کا فرمان ہے: مقدم ہونے کے علاوہ اس کے لیے وہی شرطیں ہیں جو خطبہ جمعہ کے لیے ہیں۔ (الاشباہ والنظائر، ص26، مطبوعہ کراچی)

اذان اور نیت

اذان کی درستی کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ ہاں اس پر ثواب کے لیے نیت شرط ہے۔ غمز عیون البصائر میں ہے: "قال في فتح القدير: وأما الآذان فالمشهور أنه لا يحتاج إلى نية." ترجمہ: فتح القدیر میں فرمایا: بہر حال اذان، تو مشہور یہ ہے کہ یہ محتاج نیت نہیں ہے۔

(غمز عیون البصائر، ج01، ص67، بیروت)

التحقیق الباھر میں اذان پر ثواب کے لیے نیت شرط ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:"لأنه عبادة ولاثواب فيها إلا بالنية، كما تقدم." ترجمہ: کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت میں ثواب نیت کے ساتھ ہی ہوتا ہے، جیساکہ پیچھے گزر چکا۔

(التحقیق الباھر، ج01، ص85، مخطوطہ)

استقبال قبلہ اور نیت

یوں نیت کرنا کہ:"منہ میرا قبلہ کی طرف"شرط نہیں ہے، نہ کعبہ معظمہ سے قریب اس کا مشاہدہ کرنے والے کے لیے اور نہ اس سے دور والے کے لیے، لیکن یہ ضرور ہے کہ قبلہ سے اعراض یعنی منہ پھیرنے کی نیت نہ ہو۔ در مختار میں ہے:"(ونية استقبال القبلة ليست بشرط مطلقاً) على الراجح."ترجمہ: راجح قول کے مطابق قبلہ کو منہ کرنے کی نیت مطلقاً شرط نہیں ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:"(قوله مطلقاً) أي للقريب المشاهد وغيره، لأن إصابة الجهة تحصل بلا نية العين وهي شرط، فلا يشترط لها النية كباقي الشرائط۔۔۔ذكر في شرح المنية: أن نية القبلة وإن لم تشترط، لكن عدم نية الإعراض عنها شرط، اهـ." ترجمہ:(ان کا قول: مطلقا) یعنی قریب موجود دیکھنے والے اور اس کے غیر سب کے لیے، کیونکہ جہت کو پالینا بغیر نیت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور شرط یہی ہے۔ لہٰذا باقی شرائط کی طرح اس کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ شرح منیہ میں ذکر کیا کہ قبلہ کی نیت اگرچہ شرط نہیں ہے لیکن قبلہ سے اعراض کی نیت نہ ہونا شرط ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج02، ص129 تا130، کوئٹہ)

ستر عورت، وقت، نیت وغیرہ شرائط اور نیت

ستر عورت، وقت وغیرہ تمام شرائطِ نماز کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ فتح القدیر میں وضو کے لیے نیت شرط نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:"لأن الشرط مقصود التحصيل لغيره لا لذاته، فكيف حصل المقصود وصار كستر العورة وباقي شروط الصلاة لا يفتقر اعتبارها إلى أن تنوى"ترجمہ: کیونکہ شرط کو غیر کے لیے حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ کہ اس کی اپنی ذات کے لیے تو کسی طریقے سے وہ پائی جائے گی، تو مقصود حاصل ہو جائے گا اور یہ ستر عورت اور نماز کی باقی ان شرائط کی طرح ہو گئی جن کا معتبر ہونا نیت کا محتاج نہیں ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الطہارات، ج01، ص34، کوئٹہ)

التحقیق الباھر میں ہے:"فاماالوقت فلانه ليس من افعال المصلى فلامعنى لاشتراطهافيه ولا لعدمه.واماالنية فلاتحتاج الى النية" ترجمہ: بہر حال وقت تو(اس میں نیت کی شرط کا نہ ہونا) اس وجہ سے ہے کہ وہ نمازی کے افعال میں سے نہیں ہے، تو وقت میں نیت کی شرط لگانے اور نہ لگانے کا کوئی معنی نہیں ہے اور بہر حال نیت تو وہ نیت کی محتاج نہیں ہے۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص86، مخطوطہ)

تکبیر تحریمہ اور نیت

اگر تکبیر سے نماز کی تکبیر کی نیت ہی نہ کی، بلکہ تعجب کی نیت سے تکبیر کہی یا مؤذن کا جواب دینے کی نیت سے تکبیر کہی، تو چونکہ یہ دونوں چیزیں نماز کے منافی ہیں، لہٰذا ان صورتوں میں تکبیر تحریمہ ادا نہیں ہوگی اور نماز بھی شروع نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے: "ولو أراد بتكبيره

التعجب، أومتابعة المؤذن، لم يصر شارعا." ترجمہ: اگر تکبیر سے تعجب کا یا اقامت کہنے والے کی متابعت (یعنی جواب) کا ارادہ کیا، تو وہ نماز شروع کرنے والا نہیں ہوگا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله لم يصر شارعا) لأن التعجب والإجابة أجنبيان عن الصلاة مفسدان لها، ففي شرح الشيخ إسماعيل في مفسدات الصلاة: لو قال اللهم صل على محمد، أو الله أكبر، وأراد به الجواب، تفسد صلاته بالإجماع، ولو أجاب المؤذن تفسد أيضا." ترجمہ: (ان کا قول: نماز شروع کرنے والا نہیں ہوگا) کیونکہ تعجب اور جواب دینا دونوں نماز سے الگ دو امور ہیں، جو نماز کو فاسد کرنے والے ہیں۔ لہٰذا شرح شیخ اسماعیل میں مفسدات نماز میں ہے: اگر اس نے اللھم صل علی محمد یا اللہ اکبر کہا اور اس سے جواب مقصود ہو، تو بالاجماع اس کی نماز فاسد ہوگئی اور اگر اس نے مؤذن کے جواب میں کہا تب بھی نماز فاسد ہوگئی۔

(الدر المختار مع رد المحتار، ج02، ص219، کوئٹہ)

زکاۃ اور نیت

زکاۃ کی ادائیگی کے لیے نیت شرط ہے، بغیر نیت زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے: "ولا يجوز أداء الزكاة إلا بنية" ترجمہ: نیت کے بغیر زکاۃ کی ادائیگی درست و جائز نہیں ہے۔ (الہدایہ، ج01، ص203، لاہور)

مستثنیات

بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں زکاۃ کی نیت کے بغیر بھی زکاۃ ادا یا ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ

(الف) سال پورا ہونے پر کل نصاب خیرات کر دیا، اگرچہ زکاۃ کی نیت نہ کی بلکہ نفل کی نیت کی، یا کچھ نیت نہ کی تو زکاۃ ادا ہوگئی اور اگر مال کا کچھ حصہ خیرات کیا، تو زکاۃ ادا نہ ہوگی، نہ اس خیرات شدہ حصہ کی اور نہ بقیہ مال کی۔

(ب) اگر کل مال ہلاک ہو گیا تو کل کی زکاۃ ساقط ہوگئی اور کچھ ہلاک ہوا تو ہلاک ہونے والے مال کی زکاۃ ساقط ہوگئی اور جو باقی ہے اس کی واجب ہے، اگرچہ وہ بقدر نصاب نہ ہو۔ ہلاک کا یہ مطلب ہے کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع ہو گیا، مثلا چوری ہو گیا وغیرہ۔ لیکن اگر سال پورا ہونے کے بعد خود ہلاک کیا، مثلا دریا میں ڈال دیا یا غنی کو ہبہ کیا، تو ایک روپیہ بھی ساقط نہ ہوگا، مکمل زکاۃ ادا کرنا ہوگی۔

(ج) فقیر پر قرض تھا اور کل معاف کر دیا تو اس کل کی زکاۃ ساقط ہوگئی اور جز معاف کیا تو اس جز کی ساقط ہوگئی اور اگر معاف کرنے میں یہ نیت کرے کہ یہ میرے کسی اور مال کی زکاۃ میں شمار ہو جائے، تو ایسا نہیں ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينوي الزكاة سقط فرضها، وهذا استحسان كذا في الزاهدي، ولا فرق بين أن ينوي النفل أو لم تحضره النية.۔۔۔ولو وهب بعض النصاب من الفقير يسقط عنه زكاة المؤدي عند محمد -رحمه الله تعالى- كذا في التبيين وعن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- مثله، وهو الأشبه كذا في الزاهدي. ولو كان له دين على فقير فأبرأه عنه سقط عنه زكاته نوى به عن الزكاة أو لا؛ لأنه كالهلاك، ولو أبرأه عن البعض سقط زكاة ذلك البعض لما قلنا وزكاة الباقي لا تسقط، ولو نوى به إلا الأداء عن الباقي كذا في التبيين. ولو كان من عليه الدين غنيا فوهبه منه بعد الحول ففي رواية الجامع يضمن قدر الزكاة، وهو الأصح هكذا في محيط السرخسي.۔۔۔ولو وهب دينه من فقير ونوى زكاة دين آخر له

علی رجل آخر أو نوی زکاۃ عین لہ لم یجز کذا في الکافي۔" ترجمہ: جس نے مکمل نصاب صدقہ کر دیا اور زکاۃ کی نیت نہیں کی، تو اس کا فرض ساقط ہو گیا اور یہ استحسان ہے، زاہدی میں اسی طرح ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ نفل کی نیت کرے یا کوئی نیت ذہن میں نہ ہو۔ اگر اس نے نصاب کا کچھ حصہ فقیر کو دیا، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتنے حصے کی زکوۃ ساقط ہو گئی، تبیین میں اسی طرح ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل منقول ہے اور یہی اشبہ ہے، زاہدی میں اسی طرح ہے۔ اگر فقیر پر اس کا قرض تھا، اس نے وہ معاف کر دیا تو اس کی زکاۃ ساقط ہو گئی، اس سے زکوۃ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ ہلاک کی طرح ہے۔ اگر اس نے کچھ معاف کیا تو اتنے حصے کی زکاۃ ساقط ہو گئی، اس وجہ سے جو ہم نے کہا اور باقی کی زکاۃ ساقط نہیں ہوئی، اگرچہ اس نے اس سے نیت کی ہو، مگر یہ کہ باقی وہ ادا کر دے، تبیین میں اسی طرح ہے۔ لیکن اگر غنی پر قرض تھا، اس نے سال گزرنے کے بعد اسے وہ قرض ہبہ کر دیا تو جامع کی روایت میں ہے کہ زکاۃ کی مقدار کا وہ ضمان دے گا اور یہی اصح ہے، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ اگر اس نے فقیر کو قرض ہبہ کیا اور کسی دوسرے شخص پر موجود اپنے قرض کی زکاۃ کی نیت کی یا اپنے پاس موجود مال کی زکاۃ کی نیت، تو یہ جائز نہیں ہے، کافی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج 01، ص 171، کوئٹہ)

مال تجارت اور نیت

زکاۃ جن چیزوں پر لازم ہوتی ہے، ان میں سے ایک مالِ تجارت بھی ہے۔ کسی مال کے تجارت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ:

(الف) اس میں مال کا مال سے تبادلہ ہو، چاہے عقد بیع ہو یا تجارت یا قرض۔

(ب) اور بوقت تبادلہ پختہ نیت ہو کہ اسے بیچنا ہے۔

(ج) اور سال گزرنے تک یہ نیت تبدیل نہ کی گئی ہو۔

نیت تجارت کی اقسام

نیّتِ تجارت کبھی (۱) صراحۃً ہوتی ہے، (۲) کبھی دلالۃً۔

(۱) صراحۃً یہ کہ عقد کے وقت ہی نیّتِ تجارت کر لی، خواہ وہ عقد خریداری ہو یا اجارہ، ثمن روپے، پیسے ہوں یا اسباب میں سے کوئی شے۔

(۲) دلالۃً کی صورت یہ ہے کہ مالِ تجارت کے بدلے کوئی چیز خریدی یا مکان جو تجارت کے لیے ہے اس کو کسی اسباب کے بدلے کرایہ پر دیا، تو یہ اسباب اور وہ خریدی ہوئی چیز تجارت کے لیے ہیں، اگرچہ صراحۃً تجارت کی نیّت نہ کی۔ یونہی اگر کسی سے کوئی چیز تجارت کے لیے قرض لی تو یہ بھی تجارت کے لیے ہے۔ مثلاً دو سو درہم کا مالک ہے اور من بھر گیہوں قرض لیے تو اگر تجارت کے لیے نہیں لیے، تو زکاۃ واجب نہیں کہ گیہوں کی رقم انہی دو سو سے نکالی جائے گی، تو نصاب باقی نہ رہا اور اگر تجارت کے لیے تو زکاۃ واجب ہو گی کہ اُن گیہوں کی قیمت دو سو پر اضافہ کریں اور مجموعہ سے قرض منہا کریں، تو دو سو سالم رہے، لہٰذا زکاۃ واجب ہوئی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:" ونیة التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة. ثم نیة التجارة قد تکون صریحاً، وقد تکون دلالةً. فالصریح أن ینوي عند عقد التجارة أن یکون المملوک للتجارة، سواء کان ذلک العقد شراء أو إجارة، وسواء کان ذلک الثمن من النقود أو العروض. وأما الدلالة فهي أن یشتري عیناً من الأعیان بعروض التجارة أو یؤاجر داره التي للتجارة بعرض من العروض فتصیر للتجارة، وإن لم ینو التجارة صریحاً لکن ذکر في البدائع الاختلاف في بدل منافع

عين معدة للتجارة ففي كتاب الزكاة من الأصل أنه للتجارة بلا نية، وفي الجامع ما يدل على التوقف على النية. فكان في المسألة روايتان، ومشايخ بلخ كانوا يصححون رواية الجامع." ترجمہ: تجارت اور سائمہ بنانے کی نیت اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ تجارت اور سائمہ بنانے کے فعل کے ساتھ متصل نہ ہو۔ پھر تجارت کی نیت کبھی صراحتاً اور کبھی دلالۃً ہوتی ہے۔ صراحتاً یہ ہے کہ وہ عقدِ تجارت کے وقت نیت کرے کہ یہ مملوک تجارت کے لیے ہے، چاہے وہ عقد خریداری کا ہو یا اجارے کا اور ثمن چاہے نقدی ہو یا سامان۔ دلالۃً یہ ہے کہ وہ کسی عین چیز کو سامانِ تجارت کے بدلے خریدے یا اپنے تجارتی گھر کو کسی سامان کے بدلے کرایہ پر دے دے، تو یہ تجارت کے لیے ہو جائے گا، اگرچہ صراحتاً تجارت کی نیّت نہ کی، لیکن بدائع الصنائع میں تجارتی عین چیز کے منافع کے بدل میں اختلاف مذکور ہے۔ پس اصل کی کتاب الزکاۃ میں ہے کہ وہ بغیر نیت کے تجارت کے لیے ہوگا اور جامع کا کلام نیت پر موقوف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا مسئلہ میں دو روایتیں ہو گئیں اور مشائخ بلخ جامع کی روایت کو صحیح قرار دیتے تھے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص174، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض." ترجمہ: اور نیت کا عقد تجارت کے ساتھ ملا ہونا شرط ہے اور عقد تجارت سے مراد مال کے بدلے مال کمانا اور حاصل کرنا ہے، چاہے عقد شراء کے ساتھ ہو یا اجارہ کے ساتھ یا قرض لینے کے ساتھ۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "من كان له مائتا درهم لا مال له غيرها فاستقرض من رجل قبل حولان الحول خمسة أقفزة لغير التجارة، ولم يستهلك الأقفزة حتى حال الحول لا زكاة عليه، ويصرف الدين إلى مال الزكاة دون الجنس الذي ليس بمال الزكاة، فقوله لغير التجارة دليل أنه لو استقرض للتجارة يصير لها." ترجمہ: جس کے پاس دو سو درہم ہیں، ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے، پھر اس نے سال مکمل ہونے سے پہلے کسی شخص سے پانچ قفیز تجارت کے علاوہ کسی غرض سے قرض لیے اور یہ قفیز اس نے ہلاک نہیں کیے، یہاں تک کہ سال مکمل ہو گیا، تو اس پر زکاۃ نہیں ہے اور قرض کو مال زکاۃ کی طرف پھیرا جائے گا، نہ کہ اس جنس کی طرف جو مال زکاۃ نہیں ہے۔ پس ان کا "تجارت کے علاوہ کسی غرض سے" کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ اگر اس نے تجارت کے لیے قرض لیے تو وہ تجارت کے لیے ہو جائیں گے۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص231، کوئٹہ)

مال تجارت کی تعریف کی قیودات کے فوائد

کسی مال کے مال تجارت بننے کے لیے تین شرائط اوپر بیان ہوئیں: مال کا مال سے تبادلہ، بوقت تبادلہ بیچنے کی نیت اور اس پر سال پورا ہونے تک نیت تبدیل نہ کرنا۔ لہٰذا جس مال میں ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہوئی وہ مال، مال تجارت نہیں ہوگا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) جس عقد میں تبادلہ ہی نہ ہو، جیسے ہبہ، وصیت، صدقہ۔

(ب) یا تبادلہ ہو مگر مال سے تبادلہ نہ ہو، جیسے مہر، بدل خلع، ان دونوں قسم کے عقد کے ذریعے سے اگر کسی چیز کا مالک ہوا، تو اس میں نیّتِ تجارت صحیح نہیں۔ یعنی اگرچہ تجارت کی نیّت کرے، زکاۃ واجب نہیں۔ یونہی اگر ایسی چیز میراث میں ملی تو اس میں بھی نیّتِ تجارت صحیح نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ما ملكه بعقد ليس فيه مبادلة أصلاً كالهبة والوصية والصدقة، أو ملكه بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل العتق، فإنه لا يصح فيه نية التجارة، وهو الأصح كذا في البحر الرائق. ولو ورثه

فنواه للتجارة لا يكون لها، كذا في التبيين." ترجمہ: جس چیز کا وہ ایسے عقد سے مالک ہوا جس میں اصلا مال کا تبادلہ نہ ہو، جیسے ہبہ، وصیت، صدقہ یا ایسے عقد سے مالک ہوا جس میں مال کا تبادلہ غیر مال سے ہو، جیسے مہر، بدل خلع، قتل عمد سے صلح، آزادی کا بدل، تو اس میں نیتِ تجارت درست نہیں ہے، اور یہی اصح ہے، بحر الرائق میں اسی طرح ہے۔ اگر کسی چیز کا وارث بنا پس اس میں تجارت کی نیت کر لی تو وہ چیز تجارت کے لیے نہیں ہوگی، تبیین میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج 01، ص 174، کوئٹہ)

(ج) زمین سے جو پیداوار ہوئی اس میں نیّت تجارت سے زکاۃ واجب نہیں، زمین عشری ہو یا خراجی، اس کی ملک ہو یا عاریت یا کرایہ پر لی ہو۔ ہاں، اگر زمین خراجی ہو اور عاریت یا کرایہ پر لی اور بیج وہ ڈالے جو تجارت کے لیے تھے، تو پیداوار میں تجارت کی نیّت صحیح ہے اور اگر تجارت کی نیت سے جو بیج لیے تھے وہ عشری زمین میں اگائے، تو ان پر صرف عشر ہوگا، زکاۃ نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے: "ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية أو المستأجرة أو المستعارة لئلا يجتمع الحقان." ترجمہ: زمین سے جو پیداوار ہوئی اس میں نیّت تجارت درست نہیں، زمین عشری ہو یا خراجی، کرایہ پر لی ہو یا عاریت پر، تاکہ دو حق جمع نہ ہوں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "(قوله: ولا تصح نية التجارة إلخ) لأنها لا تصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي ومثله الخارج من أرضه، لأن الملك يثبت فيه بالنبات، ولا اختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصابا، ونوى أن يمسكها ويبيعها فأمسكها حولا لا تجب فيها الزكاة كما في الميراث، وكذا لو اشترى بذر التجارة وزرعها في أرض عشر استأجرها كان فيها العشر لا غير، كما لو اشترى أرض خراج أو عشر للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة، إنما عليه حق الأرض من العشر أو الخراج (قوله أو المستأجر أو المستعارة) يعني وكانت الأرض عشرية، فإن العشر على المستعير اتفاقا وعلى المستأجر على قولهما المأخوذ به. وأما إذا كانتا خراجيتين فإن الخراج على رب الأرض، فإذا نوى المستعير أو المستأجر في الخارج منهما التجارة يصح لعدم اجتماع الحقين، أفاده ح. قلت: يتعين فرض المسألة فيما إذا اشترى بذرا للتجارة وزرعه ليصح التعليل بعدم اجتماع الحقين، أما لو نوى التجارة فيما خرج من أرضه، فقد علمت أنها لا تصح بعدم العقد فلم يصر الخارج مال تجارة فلا زكاة فيه، فافهم." ترجمہ: (ان کا قول: نیتِ تجارت درست نہیں الخ) اس لیے کہ یہ نیت صرف عقد تجارت کے وقت درست ہوتی ہے، لہٰذا اس چیز میں درست نہیں جس کا وہ بغیر عقد کے مالک ہوا، جیسے وراثت وغیرہ، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ یونہی زمین کی پیداوار بھی اس کی مثل ہے، کیونکہ اس میں نبات (اگنے) سے ملک ثابت ہوئی ہے اور اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے بحر میں فرمایا: اور نکل گئی یعنی عقد کی قید کے ساتھ وہ صورت کہ جب اس کی زمین سے اتنی پیداوار ہوئی، جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو اور اس نے نیت کی کہ وہ اسے اپنے پاس رکھے گا اور اسے بیچے گا، پس اس نے اسے سال بھر روکے رکھا، تو اس میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، جیسا کہ مال وراثت میں۔ اسی طرح اگر اس نے تجارت کے بیج خریدے اور انہیں اس عشری زمین میں بویا جو اس نے کرایہ پر لی ہوئی تھی، تو اس میں صرف عشر ہوگا، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ جیسا کہ اگر اس نے خراجی یا عشری زمین تجارت کے لیے خریدی تو اس پر تجارت کی زکاۃ نہیں ہے، اس پر صرف زمین کا حق یعنی عشر یا خراج ہے۔ (ان کا قول: کرایہ پر لی ہو یا عاریت پر) یعنی زمین عشری تھی، تو عاریتاً لینے والے پر بالاتفاق عشر ہے اور کرایہ پر لینے والے پر صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق ہے۔ بہر حال جب

عاریت اور کرائے پر لی ہوئی زمینیں خراجی ہوں، تو خراج زمین کے مالک پر ہے۔ پس جب عاریت پر یا کرایہ پر لینے والے نے ایسی زمین کی پیداوار میں تجارت کی نیت کی تو دو حقوق جمع نہ ہونے کی وجہ سے یہ نیت درست ہے، علامہ حموی نے اس کا افادہ فرمایا۔ میں نے کہا: مسئلہ کی فرض کی صورت اس حالت میں متعین ہے، جب اس نے تجارت کے لیے بیج خریدے اور انہیں کاشت کیا تاکہ دو حقوق جمع نہ ہونے والی تعلیل درست ہو جائے۔ بہر حال اگر اس نے زمین کی پیداوار میں تجارت کی نیت کی، تو تجھے معلوم ہے کہ عقد نہ ہونے کی وجہ سے یہ درست نہیں۔ لہٰذا پیداوار مال تجارت نہیں قرار پائے گی، اس لیے اس میں زکاۃ نہیں ہے۔ پس تو اسے سمجھ لے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص222، کوئٹہ)

(د) اگر عقد کے بعد نیت تجارت پائی گئی، تو وہ مال تجارت نہیں بنے گا۔

(ہ) اسی طرح اگر نیت میں تردد ہو، مثلاً رکھنے کے لیے لی اور نیت یہ ہے کہ اگر نفع ملا تو بیچ ڈالوں گا، تو اس صورت میں بھی وہ مال تجارت نہ ہوا۔ در مختار میں ہے: " ولو نوى التجارة بعد العقد أو اشترى شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه " ترجمہ: اگر عقد کے بعد تجارت کی نیت کی یا کوئی چیز پاس رکھنے کے لیے اس نیت سے خریدی کہ اگر نفع مل گیا تو بیچ دے گا، تو اس پر زکاۃ نہیں ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص231، کوئٹہ)

(و) عقد کے وقت نیت تجارت تھی، لیکن بعد میں بدل گئی تو وہ مال تجارت ہونے سے نکل گیا۔ اب بعد میں تجارت کی نیت کر بھی لے تب بھی مال تجارت نہیں بنے گا، جب تک اسے ایسی چیز کے بدلے نہ بیچے جس میں زکاۃ لازم ہوتی ہے۔ در مختار میں ہے: " (لا يبقى للتجارة ما) أي عبد مثلا (اشتراه لها فنوى) بعد ذلك (خدمته ثم) ما نواه للخدمة (لا يصير للتجارة) وإن نواه لها ما لم يبعه بجنس ما فيه الزكاة. والفرق أن التجارة عمل فلا تتم بمجرد النية؛ بخلاف الأول فإنه ترك العمل فيتم بها. " ترجمہ: وہ یعنی مثلاً غلام تجارت کے لیے باقی نہیں رہا جسے تجارت کے لیے خریدا پھر بعد میں اس سے خدمت لینے کی نیت کر لی۔ پھر جسے خدمت کے لیے رکھنے کی نیت کر لی، تو وہ تجارت کے لیے نہیں ہو گا، اگرچہ تجارت کی نیت بھی کر لے، جب تک کہ اسے اس جنس کے بدلہ بیچ نہ دے جس میں زکاۃ لازم ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ تجارت ایک عمل ہے جو محض نیت سے تام نہیں ہوتا، برخلاف اول کے کہ وہ ترک عمل ہے، تو وہ محض نیت سے تام ہو جاتا ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص228، کوئٹہ)

مستثنیات

یعنی بعض ایسی صورتیں ہیں کہ چیز لینے میں عقد ہی نہ پایا گیا یا عقد پایا گیا، لیکن بوقت عقد تجارت کی نیت نہیں پائی گئی، تب بھی وہ مال تجارت بن جائے گا اور شرائط کے ساتھ اس پر زکاۃ لازم ہو گی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) مورث کے پاس تجارت کا مال تھا، اس کے مرنے کے بعد وارثوں نے تجارت کی نیّت کی تو زکاۃ واجب ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: " وفي السائمة، ومال التجارة إن نوى الورثة الإسامة أو التجارة بعد الموت تجب، وإن لم ينووا؛ قيل تجب، وقيل لا تجب، كذا في محيط السرخسي. ومن اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة، كذا في الزاهدي. " ترجمہ: سائمہ اور مال تجارت میں اگر ورثہ نے مورث کی موت کے بعد سائمہ بنانے یا تجارت کی نیت کی تو زکاۃ واجب ہو گی اور اگر انہوں نے نیت نہ کی تو ایک

قول ہے کہ واجب ہو گی اور ایک قول ہے کہ واجب نہ ہو گی، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے اور جس نے باندی تجارت کے لیے خریدی اور (پھر)اسے خدمت کے لیے رکھنے کی نیت کرلی، تو اس کی زکاۃ ختم ہو گئی۔ زاہدی میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص174، کوئٹہ)

(ب)مال تجارت کے بدلے جو چیز بھی وصول کی جائے گی وہ مال تجارت ہی ہو گی، اگرچہ تبادلے کے وقت نیت نہ کی۔ در مختار میں ہے:

"وكذا كل ما قوبض به مال التجارة، فإنه يكون لها بلا نية كما مر." ترجمہ: اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے بدلے مال تجارت دیا گیا، تو وہ بغیر نیت کے تجارت کے لیے ہو جائے گی۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص230، کوئٹہ)

سائمہ جانور اور نیت

جانوروں پر زکاۃ لازم ہونے کے معاملے میں بھی نیت کا عمل دخل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

جو جانور سائمہ ہو اسی پر شرائط کے ساتھ زکاۃ لازم ہوتی ہے اور سائمہ بننے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) جانور سال کا اکثر حصہ مباح گھاس وغیرہ پر اکتفا کرتا ہو، (۲) اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچے لینا یا فربہ کرنا ہو۔

سائمہ کی تعریف کی قیودات کے فوائد

اوپر جانور کے سائمہ بننے کے لیے جو شرائط مذکور ہوئیں، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہوئی، تو جانور سائمہ نہیں بنے گا، لہذا اس پر زکاۃ نہیں ہو گی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اگر آدھا سال گھر میں چارہ لا کر کھلایا، یا (ب) مقصود بوجھ لادنا، یا (ج) ہل وغیرہ کسی کام میں لانا، یا (د) سواری کرنا ہے، تو اگرچہ چر کر گزارہ کرتا ہو، وہ سائمہ نہیں اور اس کی زکاۃ واجب نہیں۔ (ہ) اسی طرح اگر گوشت کھانے کے لیے ہے تو سائمہ نہیں، اگرچہ جنگل میں چرتا ہو۔ (و) یونہی جو جانور بیچنے کی نیت سے لیا اور وہ چرائی پر ہے، تو یہ بھی سائمہ نہیں، بلکہ اس کی زکاۃ قیمت لگا کر ادا کی جائے گی۔ در مختار میں ہے: "السائمة (هي) الراعية، وشرعا (المكتفية بالرعي) المباح، ذكره الشمني (في أكثر العام لقصد الدر والنسل) ذكره الزيلعي، وزاد في المحيط (والزيادة والسمن) ليعم الذكور فقط، لكن في البدائع لو أسامها للحم فلا زكاة فيها كما لو أسامها للحمل والركوب۔۔۔ (فلو علفها نصفه لا تكون سائمة)" ترجمہ: سائمہ یعنی چرنے والا جانور اور شرعا (وہ جانور جو) مباح گھاس وغیرہ (چرنے پر اکتفا کرے،) اسے شمنی نے ذکر کیا ہے۔ (سال کے اکثر حصے میں اور یہ جانور دودھ اور نسل (یعنی بچے حاصل کرنے) کے قصد سے رکھا ہو،) اسے زیلعی نے ذکر کیا، اور محیط میں یہ اضافہ کیا: (اور اسے فربہ کرنے کے لیے رکھا ہو) تاکہ یہ خالص مذکر کو بھی شامل ہو جائے۔ لیکن بدائع میں ہے: اگر اس نے گوشت کے حصول کے لیے چرائی پر رکھا، تو اس میں زکوۃ نہیں ہے، جیسا کہ اگر بوجھ لادنے اور سواری کے لیے چرائی پر رکھا۔ (پس اگر آدھا سال اسے چارہ لا کر کھلایا تو وہ سائمہ نہ ہو گا۔) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص232 تا 234، کوئٹہ)

تجارت کا جانور سائمہ کیسے بنے گا؟

اگر تجارت کے لیے جانور لیا، پھر وہ سال کا بعض یا اکثر حصہ چر کر گزارہ کرتا رہا، تو جب تک اسے سائمہ بنانے کی نیت نہ کرے گا، فقط چرانے سے وہ سائمہ نہیں بنے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "وإن كانت للتجارة فرعاها ستة أشهر أو أكثر لم تكن سائمة، إلا أن ينوي أن يجعلها سائمة." ترجمہ: اور اگر جانور تجارت کے لیے ہو، پھر اسے چھ ماہ یا زیادہ چرایا، تو وہ سائمہ نہیں ہو گا، مگر یہ کہ وہ اسے سائمہ بنانے کی نیت کرے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص177، کوئٹہ)

استثنائی صورت

اوپر مذکور ہوا کہ جانور کے سائمہ بننے کے لیے سائمہ بنانے کی نیت ہونا ضروری ہے، اس قاعدے سے ایک صورت مستثنی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

ایک صورت ایسی ہے کہ اس میں اپنی نیت سائمہ بنانے کی نہ بھی ہو، تو بھی وہ سائمہ ہو گا اور وہ یہ ہے کہ اگر سائمہ جانور وراثت میں ملا تو سال گزرنے پر اس کی زکاۃ لازم ہو جائے گی، وارث نے اسے سائمہ بنانے کی نیت کی ہو یا نہ کی۔ در مختار میں ہے: "لو ورث سائمة لزمه زكاتها بعد حول، نواه أو لا." ترجمہ: اگر سائمہ جانور کا وارث بنا، تو سال کے بعد اس کی زکاۃ لازم ہو گی، چاہے اسے سائمہ رکھنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص232 تا 234، کوئٹہ)

روزہ اور نیت

روزہ خواہ فرض ہو یا واجب، نفل ہو یا سنت، ہر قسم کے روزے کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ فتاوی ہندیہ میں روزے کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا: "(وشرط) صحة الأداء النية والطهارة عن الحيض والنفاس، كذا في الكافي والنهاية. والنية معرفته بقلبه أن يصوم، كذا في الخلاصة ومحيط السرخسي." ترجمہ: ادائیگی درست ہونے کی شرائط: نیت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا ہے، کافی اور نہایہ میں اسی طرح ہے۔ نیت یہ ہے کہ روزہ رکھنے کو دل سے پہچان لے، خلاصہ اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص195، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(فيصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل) فلا تصح قبل الغروب ولا عنده (إلى الضحوة الكبرى لا) بعدها ولا (عندها) اعتبارا لأكثر اليوم (وبمطلق النية) أي نية الصوم---(وبنية نفل)---- (والشرط للباقي) من الصيام قران النية للفجر ولو حكما وهو (تبييت النية) للضرورة (وتعيينها) لعدم تعين الوقت. والشرط فيها: أن يعلم بقلبه أي صوم يصومه." ترجمہ: پس ماہ رمضان، نذر معین اور نفل کے روزے کی ادائیگی رات سے ضحوہ کبری تک کی نیت کے ساتھ درست ہے۔ لہٰذا غروب آفتاب سے پہلے اور غروب کے وقت کی نیت سے درست نہیں ہے۔ نیز دن کے اکثر حصے کا اعتبار کرتے ہوئے ضحوہ کبری کے بعد اور ضحوہ کبری کے وقت کی نیت سے بھی درست نہیں ہے۔ مذکورہ روزے مطلق روزے کی نیت اور نفل کی نیت دونوں سے درست ہو جائیں گے۔ باقی روزوں کے لیے نیت کا فجر کے ساتھ ملا ہونا شرط ہے، اگرچہ حکما ہو اور وہ رات کے وقت نیت کرنا ہے، کیونکہ اس سے لازمی طور

پر فجر کے وقت نیت پائی جائے گی۔ نیز اس روزے کو معین کرنا شرط ہے، کیونکہ اس کے لیے وقت معین نہیں ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ دل سے جانتا ہو کہ وہ کونسا روزہ رکھ رہا ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، ج03، ص393 تا398، کوئٹہ)

حج وعمرہ اور نیت

حج خواہ فرض ہو، یا نفل ہو، یا منت کا، بہر صورت اس کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ عمرہ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے بھی نیت شرط ہے۔

حج وعمرہ میں نیت شرط ہونے کی وجہ

ہر طرح کے حج کے لیے اور عمرہ کے لیے احرام شرط ہے اور احرام نیت و تلبیہ، یا تلبیہ کے قائم مقام کا نام ہے، لہذا ثابت ہوا کہ حج وعمرہ بغیر نیت درست نہیں ہوں گے۔

فتاوی ہندیہ میں حج کے متعلق فرمایا: "(وأما شرائط صحة أدائه فثلاثة) الإحرام والمكان والزمان، هكذا في السراج الوهاج." ترجمہ: حج کی ادائیگی درست ہونے کی تین شرائط ہیں۔ احرام، مکان، اور زمان، السراج الوہاج میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب المناسک، ج01، ص219، کوئٹہ)

احرام کی شرط بیان کرتے ہوئے فتاوی ہندیہ میں فرمایا: "(وأما شرطه فالنية) حتى لا يصير محرما بالتلبية بدون نية الإحرام كذا في محيط السرخسي، ولا يصير شارعا بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية أو ما يقوم مقامها من الذكر أو سوق الهدي أو تقليد البدنة كذا في المضمرات." ترجمہ: احرام کی شرط نیت ہے۔ یہاں تک کہ احرام کی نیت کے بغیر تلبیہ کہنے سے مُحرم نہیں ہو گا، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے اور محض نیت کرنے سے بھی شروع کرنے والا نہیں ہو گا، جب تک کہ تلبیہ یا اس کے قائم مقام کچھ نہ کرلے۔ یعنی ذکر، ہدی کو چلانا، یا بدنہ کو قلادہ باندھنا، مضمرات میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب المناسک، ج01، ص222، کوئٹہ)

عمرہ کے متعلق فتاوی ہندیہ میں ہے: "(وأما شرائطها) فشرائط الحج، إلا الوقت، هكذا في البدائع." ترجمہ: وقت کے علاوہ عمرہ کی شرائط وہی ہیں جو حج کی شرائط ہیں، بدائع میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب المناسک، ج01، ص237، کوئٹہ)

اعتکاف اور نیت

اعتکاف خواہ واجب ہو، سنت ہو یا نفل ہر قسم کے اعتکاف کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ بدائع الصنائع میں اعتکاف کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ومنها: النية لأن العبادة لا تصح بدون النية." ترجمہ: ان میں سے ایک شرط نیت ہے، کیونکہ عبادت نیت کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل: شرائط صحۃ الاعتکاف، ج02، ص274، کوئٹہ)

نفل اعتکاف بھی نیت سے درست ہوتا ہے۔ اس کے حوالے سے مراقی الفلاح میں ہے: "المعتمد أن "أقله نفلا مدة يسيرة" غير محدودة فيحصل بمجرد المكث مع النية" ترجمہ: معتبر قول کے مطابق نفلی اعتکاف کی کم از کم مقدار تھوڑی سی مدت ہے، جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ لہذا یہ نیت کے ساتھ محض ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (مراقی الفلاح، ص356، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کفارات اور نیت

کفارات میں خواہ غلام آزاد کرنا ہو یا روزے رکھنے ہوں یا کھانا کھلانا ہو، ہر صورت میں ان کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "أما الكفارات فالنية شرط صحتها، عتقا أو صياما أو إطعاما." ترجمہ: رہے کفارات تو ان کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے، چاہے یہ آزاد کرنے یا روزے رکھنے یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہوں۔ (الاشباہ والنظائر، ص27، مطبوعہ کراچی)

قربانی میں نیت اور اس کا وقت

قربانی کے درست ہونے کے لیے نیت ہونا شرط ہے اور یہ نیت خریداری کے وقت پائی جانی کافی ہے۔

قربانی کی شرائط بیان کرتے وقت بدائع الصنائع میں فرمایا: "أما الذي يرجع إلى من عليه التضحية؛ فمنها نية الأضحية، لا تجزي الأضحية بدونها، لأن الذبح قد يكون للحم وقد يكون للقربة، والفعل لا يقع قربة بدون النية." ترجمہ: وہ شرائط جو اس شخص کی طرف لوٹتی ہیں جس پر قربانی لازم ہے، ان میں سے ایک قربانی کی نیت ہے، اس کے بغیر قربانی کفایت نہیں کرے گی، کیونکہ ذبح کرنا کبھی گوشت کے حصول کے لیے اور کبھی عبادت کے لیے ہوتا ہے اور کوئی بھی فعل نیت کے بغیر عبادت نہیں بنتا۔

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، ج04، ص207، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "وفي البزازية: لو ذبح المشتراة لها بلا نية الأضحية جازت اكتفاء بالنية عند الشراء اهـ." ترجمہ: بزازیہ میں ہے: اگر قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور بغیر قربانی کی نیت کے ذبح کر دیا، تو قربانی ہو گئی، کیونکہ خریداری کے وقت کی نیت کفایت کر جائے گی۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الاضحیہ، ج09، ص520، کوئٹہ)

بوقت خریداری نیت کافی ہونے کے فوائد

اوپر گزرا کہ قربانی درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے اور یہ نیت بوقت خریداری کافی ہے، اس حوالے سے چند فوائد و احکام درج ذیل ہیں:

(الف) اگر جانور قربانی کے لیے خریدا اور بعد میں کسی دوسرے نے جانتے ہوئے ایام قربانی میں اسے اپنی طرف سے ذبح کر دیا یا غلطی سے اپنا سمجھ کر اپنی طرف سے کر دیا اور مالک نے ذبح شدہ جانور لے لیا اور اس کا تاوان نہ لیا، تو مالک ہی کی قربانی ادا ہو گی۔ ردالمحتار میں ہے: "لو غلط فذبح أضحية غيره عن نفسه فالمالك بالخيار؛ إن ضمنه وقعت عن الذابح، وإلا فعن المالك، على ما قدمناه عن البدائع. وكذا لو تعمد وذبحها عن نفسه." ترجمہ: اگر غلطی سے دوسرے کی قربانی کا جانور اپنی طرف سے ذبح کر دیا تو مالک کو اختیار ہے؛ اگر وہ اس سے ضمان لے لے تو یہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہو گئی، ورنہ مالک کی طرف سے ہو گئی، اس کے مطابق جو ہم نے بدائع سے مقدم کیا۔ اسی طرح اگر اس نے یہ جان بوجھ کر کیا ہو اور اپنی طرف سے اس کو ذبح کیا ہو۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الاضحیہ، ج09، ص547، کوئٹہ)

(ب) فقیر شرعی نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا لازم ہو گیا۔ در مختار میں ہے:"(وفقیر)۔۔۔(شراھا لھا) لوجوبھا علیہ بذلک، حتی یمتنع علیہ بیعھا." ترجمہ: اور فقیر نے قربانی کے لیے جانور خریدا، تو اس خریداری کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہو گئی، یہاں تک کہ اس جانور کو بیچنا اس کے لیے ممنوع ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج09، ص532، کوئٹہ)

(ج) غنی نے قربانی کے لیے جانور خریدا تھا اور قربانی نہیں کی، یہاں تک کہ ایام قربانی گزر گئے، تو اس پر بعینہ یہی جانور صدقہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اگر ایام قربانی گزرنے کے بعد ذبح کرے، تو اس میں سے کھانا، جائز نہیں۔ رد المحتار میں ہے:" ذکر في البدائع أن الصحيح أن الشاة المشتراة للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمدا قال وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف وقولنا اهـ وتمامه فيه، وهو الموافق لما قدمناه آنفا عن غاية البيان، وعلى كل فالظاهر أنه لا يحل له الأكل منها إذا ذبحها" ترجمہ: بدائع میں ذکر کیا کہ بے شک صحیح یہ ہے کہ وہ بکری جسے قربانی کے لیے خریدا گیا، جب اسے قربان نہیں کیا، یہاں تک کہ قربانی کا وقت گزر گیا، تو غنی فقیر کی طرح اسے زندہ صدقہ کرے گا، اس میں ہمارے اصحاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لہٰذا امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا اور ہمارا قول ہے۔ انتہی اور اس پر مکمل کلام اسی میں ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو ہم نے ابھی غایۃ البیان سے مقدم کیا اور اس تمام گفتگو کے مطابق ظاہر یہ ہے کہ اگر اس نے اس بکری کو ذبح کر دیا تو اس کے لیے اس میں سے کچھ بھی کھانا حلال نہیں ہو گا۔ (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج09، ص533، کوئٹہ)

حج کی قربانی اور نیت

حج کی قربانی اور عید الاضحی والی قربانی کے احکام یکساں ہیں، لہٰذا حج کی قربانی کے درست ہونے کے لیے بھی نیت شرط ہے اور اس نیت کا خریداری کے وقت پایا جانا کافی ہے۔ النتف فی الفتاوی میں ہے:"اعلم ان حکم الضحایا کحکم الھدایا" ترجمہ: واضح رہے کہ عید الاضحی والی قربانیوں کا حکم ہدی یعنی حج کی قربانیوں کے حکم کی طرح ہے۔ (النتف فی الفتاوی، کتاب الاضحیۃ، ص154، کراچی)

عقیقہ اور نیت

عقیقہ کے احکام بھی قربانی والے ہیں۔ لہٰذا اس میں بھی نیت شرط ہے اور اس کا وقتِ خریداری پایا جانا، کافی ہے۔ العقود الدریۃ میں عقیقہ کے متعلق ہے:" حکمھا کاحکام الاضحیۃ" ترجمہ: اس کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے۔

(العقود الدریۃ، کتاب الاضحیۃ، ج02، ص269، بیروت)

جہاد اور نیت

جہاد عظیم عبادت ہے۔ عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن ہجوم کر آئے، تو فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس کی صحت کے لیے اصل نیت ہونا ضروری ہے اور ثواب کے لیے خلوصِ نیت؛ یعنی اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے، اسلام کی سربلندی، کفار کی تذلیل اور مسلمانوں کی جانوں اور اموال کی حفاظت کی نیت ضروری ہے۔

التحقیق الباھر اور الاشباہ والنظائر میں ہے:"(واما الجھاد)۔۔۔(فمن اعظم العبادات)۔۔۔ثم ھو فرض عین ان ھجم العدو

والافقرض کفایة (فلابدله) ای لصحته اوللثواب علیه ولما کان الجهادامراعظیماقل مایقع بلااصل النیة التی هی مبنی الصحة ومدارابراء الذمة وانماالشان فی خلوص النیة لنیل الاجرالعظیم الموصل الی جنات النعیم فلذاهتم بشانه فقال:(من خلوص النیة) ای النیة الخالصة فی اعزاز کلمة اللہ واذلال اعدائه وصیانة هذه الامة واموالهم "ترجمہ: بہر حال جہاد تو یہ عظیم عبادات میں سے ہے، پھر اگر دشمن ہجوم کر آئے تو یہ فرض عین ہے، ورنہ فرض کفایہ ہے۔ اس کی صحت یا اس پر ثواب کے لیے خالص نیت کا ہونا ضروری ہے، جبکہ جہاد ایک امر عظیم (ایک بڑا معاملہ) ہے، کم ہی ایسا ہوگا کہ یہ اُس اصل نیت کے بغیر ہو جس پر صحت کی بنیاد اور ذمہ سے بری ہونے کا مدار ہے، لیکن بڑا معاملہ تو اس خالص نیت میں ہے جو چین کے باغات تک پہنچانے والے اجر کے حصول کے لیے کی جائے، لہٰذا اس معاملے کا اہتمام کرتے ہوئے کہا: خلوص نیت ضروری ہے یعنی ایسی نیت جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے بلند کرنے، اس کے دشمنوں کو ذلیل کرنے اور اس امت کو اور ان کے اموال کو بچانے میں خالص ہو۔ (التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر، ج01، ص92، مخطوطہ)

مباحات

جتنے بھی مباح کام ہیں وہ اگر بغیر نیت کے کیے جائیں، تو وہ واقع ہو جاتے ہیں، لیکن اچھی نیت سے کیے جائیں، تو ان پر ثواب ملتا ہے۔

چند مباحات کی تفصیل

وقف اور نیت

وقف اپنی وضع کے اعتبار سے عبادت نہیں ہے، بلکہ مباح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کا وقف درست ہو جاتا ہے۔ ہاں، اس پر ثواب حاصل ہونے کے لیے ثواب والی نیت ہونا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے: "والمراد أنه لیس موضوعا للتعبد به کالصلاة والحج بحیث لا یصح من الکافر أصلا بل التقرب به موقوف علی نیة القربة، فهو بدونها مباح حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح، لکن العتق أنفذ منه حتی صح مع کونه حراما کالعتق للصنم، بخلاف الوقف فإنه لا بد فیه من أن یکون في صورة القربة، وهو معنی ما یأتي في قوله ویشترط أن یکون قربة في ذاته؛ إذ لو اشترط کونه قربة حقیقة لم یصح من الکافر "ترجمہ: مراد یہ ہے کہ اس کی وضع اس لیے نہیں ہوئی کہ اس کے ذریعہ عبادت کی جائے، جیسے نماز اور حج اس طرح کہ کافر کا وقف بالکل درست ہی نہ ہوتا، بلکہ اس سے قرب حاصل کرنا عبادت کی نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اس کے بغیر وقف کرنا مباح ہے، یہاں تک کہ کافر سے بھی درست ہو جاتا ہے۔ جیسے آزادی اور نکاح، لیکن آزادی چونکہ اس نے اپنی طرف سے نافذ کی تو وہ حرام ہونے کے باوجود درست ہو جاتی ہے، جیسے بت کے لیے آزاد کرنا بر خلاف وقف کے کہ اس میں ضروری ہے کہ وقف عبادت کی صورت میں ہو اور یہی وہ معنی ہے جسے انہوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے کہ وقف کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی ذات میں قربت ہو، کیونکہ اگر اس کے حقیقۃً قربت ہونے کی شرط ہوتی، تو یہ کافر سے درست نہ ہوتا۔
(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، ج06، ص519، کوئٹہ)

نکاح اور نیت

نکاح اپنی اصل وضع میں مباح ہے۔ اس کے درست ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔

مذاق اور اکراہ یعنی مجبوری کے ساتھ نکاح

مذاق میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اور مکرہ، یعنی جسے مجبور کر کے ایجاب و قبول کروایا گیا، اس کا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ مذاق اور اکراہ میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے کی نیت نہیں کی جاتی لیکن نکاح درست ہونے کے لیے نیت شرط ہی نہیں۔

ثواب کے لیے نکاح میں نیت

ہاں، نکاح پر ثواب حاصل کرنے کے لیے ثواب والی کوئی نیت ہونا شرط ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت

کس صورت میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہوگا، اس کے متعلق تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اعتدال کی حالت میں؛ یعنی نہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو، نہ عنین (نامرد) ہو اور مہر و نفقہ پر قدرت بھی ہو، تو نکاح سُنّتِ مؤکدہ ہے کہ نکاح نہ کرنے پر اڑا رہنا گناہ ہے اور اگر حرام سے بچنا یا اتباعِ سُنّت و تعمیلِ حکم یا اولاد حاصل ہونا مقصود ہے، تو ثواب بھی پائے گا اور اگر محض لذّت یا قضائے شہوت منظور ہو، تو ثواب نہیں۔ (ب) شہوت کا غلبہ ہے کہ نکاح نہ کرے، تو معاذ اللہ اندیشۂ زنا ہے اور مہر و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو، تو نکاح واجب۔ یونہی جبکہ اجنبی عورت کی طرف نگاہ اُٹھنے سے روک نہیں سکتا یا معاذ اللہ ہاتھ سے کام لینا پڑے گا، تو نکاح واجب ہے۔ (ج) یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہو جائے گا، تو نکاح کرنا فرض ہے۔ (د) اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا، تو نان نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں انہیں پورا نہ کر سکے گا، تو مکروہ ہے اور (ہ) ان باتوں کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام، مگر نکاح بہر حال ہو جائے گا۔ (و) نکاح اور اُس کے حقوق ادا کرنے میں اور اولاد کی تربیت میں مشغول رہنا، نوافل میں مشغولی سے بہتر ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "ينعقد النكاح من الهازل وتلزم مواجبه لقوله - صلى الله عليه وسلم - «ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق، والرجعة» رواه الترمذي من حديث أبي هريرة عن النبي - صلى الله عليه وسلم -، ورواه أبو داود وجعل العتق بدل الرجعة وكذا ينعقد من المكره" ترجمہ: مذاق کرنے والے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس کے واجبات لازم ہو جاتے ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو سنجیدگی میں کرنا بھی سنجیدگی ہے اور ان کو مذاق میں کرنا بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجعت۔ اسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے حضور نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا اور اسے امام ابو داؤد نے روایت کیا اور انہوں نے تیسری چیز "رجعت" کی جگہ "غلام آزاد کرنا" ذکر کی اور اسی طرح مُکرَہ (جو حالت اکراہ میں ہو) سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب النکاح، ج03، ص190، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة، وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة عليه والإنكار على من رغب عنه (، ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك" ترجمہ: اشتیاق کے وقت نکاح کرنا واجب ہے، اگر زنا میں پڑنے کا یقین ہو کہ صرف نکاح سے بچ سکتا ہے، تو نکاح فرض ہے۔ نہایہ اور یہ تب ہے جب مہر اور نفقہ کا مالک ہو، ورنہ نکاح نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے، بدائع۔ اور اصح قول کے مطابق حال اعتدال میں نکاح سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا نہ کرنے سے گنہگار ہوگا اور اگر گناہ سے بچانے اور اولاد کی نیت سے نکاح کیا تو اس پر ثواب پائے گا اور حال اعتدال سے مراد وطی، مہر اور نفقہ پر

قدرت ہوناہے اور نہر میں نکاح کے واجب ہونے کو ترجیح دی، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ہمیشگی فرمائی اور اس سے اعراض کرنے والے کو وعید ارشاد فرمائی اور ظلم کے خوف کے وقت نکاح مکروہ ہے، اگر ظلم کا یقین ہو تو حرام ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله: عند التوقان)۔۔۔ والمراد شدة الاشتياق كما في الزيلعي: أي بحيث يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج إذ لا يلزم من الاشتياق إلى الجماع الخوف المذكور بحر. قلت: وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف، فيجب التزوج، وإن لم يخف الوقوع في الزنا (قوله: فإن تيقن الزنا إلا به فرض) أي بأن كان لا يمكنه الاحتراز عن الزنا إلا به۔۔۔ (قوله: وهذا إن ملك المهر والنفقة) هذا الشرط راجع إلى القسمين أعني الواجب والفرض وزاد في البحر شرطا آخر فيهما وهو عدم خوف الجور أي الظلم قال: فإن تعارض خوف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج وخوف الجور لو تزوج قدم الثاني فلا افتراض، بل يكره۔۔ وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل۔۔۔ قوله: ويثاب إن نوى تحصينا) أي منع نفسه ونفسها عن الحرام، وكذا لو نوى مجرد الاتباع وامتثال الأمر بخلاف ما لو نوى مجرد قضاء الشهوة واللذة (قوله: أي القدرة على وطء) أي الاعتدال في التوقان أن لا يكون بالمعنى المار في الواجب والفرض وهو شدة الاشتياق، وأن لا يكون في غاية الفتور كالعنين ولذا فسره في شرحه على الملتقى بأن يكون بين الفتور والشوق وزاد المهر والنفقة؛ لأن العجز عنهما يسقط الفرض فيسقط السنية بالأولى، وفي البحر والمراد حالة القدرة على الوطء، والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترك الفرائض والسنن، فلو لم يقدر على واحد من الثلاثة أو خاف واحدا من الثلاثة أي الأخيرة فليس معتدلا فلا يكون سنة في حقه كما أفاده في البدائع . اهـ۔۔ والظاهر أنه إذا لم يقصد إقامة السنة بل قصد مجرد التوصل إلى قضاء الشهوة ولم يخف شيئا لم يثب عليه إذ لا ثواب إلا بالنية فيكون مباحا أيضا كالوطء لقضاء الشهوة "ترجمہ: (ان کا قول اشتیاق کے وقت) مراد شدید اشتیاق ہے، جیسا کہ زیلعی میں ہے: یعنی اتنا کہ اگر نکاح نہ کرے تو زنا میں پڑنے کا خوف ہو، کیونکہ جماع کی طرف (محض) اشتیاق سے مذکورہ خوف لازم نہیں آتا، بحر۔ میں نے کہا اسی طرح اگر خود کو حرام کی طرف نظر کرنے یا مشت زنی سے منع کرنا، ممکن نہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے، اگرچہ زنا میں پڑنے کا خوف نہ ہو۔ (ان کا قول: اگر زنا میں پڑنے کا یقین ہو کہ صرف نکاح سے بچ سکتا ہے، تو نکاح فرض ہے۔) یعنی بایں طور کہ زنا سے بچنا ممکن نہ ہو، مگر نکاح کرنے کے ساتھ۔ (ان کا قول: یہ حکم اس وقت ہے اگر وہ مہر ونفقہ کا مالک ہو) یہ شرط دونوں قسموں یعنی واجب وفرض کی طرف راجع ہے اور بحر میں ان دونوں صورتوں میں ایک اور شرط کا اضافہ فرمایا: اور وہ یہ کہ ظلم کا خوف نہ ہو۔ فرمایا: پھر اگر نکاح نہ کرنے سے زنا میں پڑنے کا خوف ہو اور نکاح کرنے سے ظلم کا خوف ہو تو دوسرے خوف کو مقدم رکھا جائے گا، لہٰذا نکاح فرض نہیں، بلکہ مکروہ ہے اور ہم نے یہ پہلے ذکر کر دیا ہے کہ نکاح کرنا نفلی عبادت کے لیے مجرد رہنے سے افضل ہے۔ (ان کا قول: اگر گناہ سے بچانے کی نیت سے نکاح کیا، تو اس پر ثواب پائے گا) یعنی خود کو اور بیوی کو حرام سے روکنے کی نیت کی اور اسی طرح اگر اس نے صرف (اللہ عزوجل اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے) حکم کی پیروی کی نیت کی برخلاف اس کے کہ محض شہوت کو پورا کرنے اور لذت کی نیت کی۔ (ان کا قول: یعنی وطی پر قدرت) یعنی اشتیاق ومیلان میں اعتدال ہو، نہ اس طرح ہو جو پیچھے واجب وفرض میں گزرا کہ وہ شدید اشتیاق ہے اور نہ ہی عنین کی طرح انتہائی حالت فتور میں ہو۔ اسی وجہ سے انہوں نے ملتقی پر اپنی شرح میں اس کی تفسیر اس طرح کی کہ وہ حالت فتور اور شوق کے درمیان میں ہو اور مہر ونفقہ کا اضافہ فرمایا، کیونکہ ان دونوں سے عاجز ہونا تو فرض کو ساقط کر دیتا ہے، تو سنت ہونے کو تو بدرجہ اولیٰ ساقط کر دے گا

اور بحر میں ہے: وطی، مہر اور نفقہ پر قدرت سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ زنا اور ظلم کا خوف نہ ہو اور فرائض و سنن کے ترک کا خوف نہ ہو، پس اگر وہ اُن تین میں سے کسی پر قادر نہیں ہے یا اسے دوسری تین چیزوں میں سے کسی کا خوف ہے، تو وہ معتدل نہیں ہے، لہٰذا اس کے حق میں نکاح سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ بدائع میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ انتہی اور ظاہر ہے کہ جب اس نے سنت کو قائم کرنے کا ارادہ نہ کیا، بلکہ محض شہوت کو پورا کرنے کا قصد کیا اور اسے کسی چیز کا خوف نہیں تھا، تو اسے اس پر ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ نیت کے بغیر کوئی ثواب نہیں ہے، تو قضاء شہوت کے لیے کی جانے والی وطی کی طرح یہ نکاح بھی اس کے لیے (محض) مباح ہوگا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب النکاح، ج4، ص 72 تا74، کوئٹہ)

وصیت اور نیت

وصیت کے درست ہونے کے لیے نیت ضروری نہیں ہے۔ ہاں، ثواب حاصل کرنے کے لیے ثواب والی نیت ضروری ہے۔ الاشباہ و النظائر میں ہے: " واما الوصية فكالعتق ان قصد التقرب فله الثواب والا فهي صحيحة فقط" ترجمہ: وصیت غلام آزاد کرنے کی طرح ہے اگر اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت کی، تو اسے ثواب ملے گا، ورنہ فقط وصیت درست ہو جائے گی۔

(الاشباہ والنظائر، ص27، مطبوعہ کراچی)

قضا اور اس کے متعلقات اور نیت

قضا یعنی فیصلہ کرنا، اسی طرح حدود و تعزیر قائم کرنا، گواہوں کا گواہ بننا اور گواہی دینا اور اس سے متعلقہ جتنے کام ہیں وہ سب اگر حسنِ نیت سے کیے جائیں، تو ان پر ثواب ملتا ہے۔ لیکن ان کا صحیح اور درست ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے۔ التحقیق الباھر اور الاشباہ و النظائر میں ہے: " (واما القضاء)۔۔(فالثواب عليه)۔۔۔(يتوقف عليها) اى النية ۔۔واما الصحة فلا يتوقف عليها۔ (وكذا) يتوقف على النية لتحصيل الثواب (اقامة الحدود والتعازير وكل مايتعاطاه الحكام والولاة) مما فيه مصالح دينية ودنيوية يتوقف على النية للثواب لانه يرجع فى الكل الى الامر بالمعروف والنهى عن المنكر وهو ان كان المامور به فرضا او المنهى عنه حراما ففرض كفاية والا فسنة اومندوب والكل ممايثاب عليه بخلوص النية (وكذا تحمل الشهادات وادائها)" ترجمہ: فیصلہ کرنے پر ثواب ملنا نیت پر موقوف ہے، لیکن اس کا درست ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے، اسی طرح حدود اور تعزیرات کو قائم کرنا اور دینی و دنیاوی مصلحتوں کے وہ تمام معاملات جن میں حاکم و والی مشغول ہوتے ہیں، ان سب میں ثواب کا حصول نیت پر موقوف ہے، کیونکہ فی الجملہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا اگر مامور بہ (جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) فرض ہو یا منہی عنہ (جس سے منع کیا گیا ہے) حرام ہو، تو یہ فرض کفایہ ہے ورنہ سنت یا مستحب ہے اور ان تمام پر ثواب خلوص نیت سے ہی ملتا ہے اور اسی طرح گواہ بننا اور گواہی دینا ہے۔

(التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر، ج01، ص101-100، مخطوطہ)

کھانا کھانے کی شرعی حیثیت اور نیت

(۱) بغیر ثواب کی نیت کے پیٹ بھرنے کی مقدار تک کھانا کھانا ایک مباح کام ہے، جس پر نہ ثواب ہے اور نہ گناہ اور اگر اس پر ثواب کی نیت کرے مثلا یہ نیت کہ اس سے عبادت پر قوت حاصل کرے گا، تو اس پر ثواب بھی ملے گا۔ تنویر الابصار میں ہے "مباح الی الشبع" ترجمہ: پیٹ بھرنے کی مقدار تک کھانا کھانا مباح ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:"(قولہ:ومباح)ای لااجرفیہ ولاوزرفیہ،فیحاسب علیہ حسابایسیرالومن حل۔۔۔ وینوی بہ ان یتقوی بہ علی العبادۃ فیکون مطیعا "ترجمہ: مصنف نے جو مباح فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ اس میں نہ کچھ ثواب ہے اور نہ کوئی گناہ، پس اس پر اس سے آسان حساب لیا جائے گا، اگر یہ حلال مال سے ہو اور کھانا کھانے سے یہ نیت کرے کہ اس کے ذریعے عبادت پر قوت حاصل کرے گا، تو نیکی کرنے والا شمار ہو گا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص560، کوئٹہ)

(۲)اور کبھی کھانا فرض ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں کھانے پر ثواب ہے اور نہ کھانے میں عذاب۔ اس کی صورت یہ ہے کہ:

(الف) اگر بھوک کا اتنا غلبہ ہو کہ جانتا ہو کہ نہ کھانے سے مر جائے گا، تو اتنا کھالینا جس سے جان بچ جائے فرض ہے اور اس صورت میں اگر نہیں کھایا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار ہوا۔

(ب) اسی طرح اتنا کھالینا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت آجائے یعنی نہ کھانے سے اتنا کمزور ہو جائے گا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا۔ تو اتنی مقدار کھالینا ضروری ہے اور اس پر ثواب بھی پائے گا۔

(ج) اور اسی طرح اتنا کھالینا کہ روزہ رکھ سکے یعنی نہ کھانے سے اتنی کمزوری آجائے گی کہ روزہ نہ رکھ سکے گا، تو اتنی مقدار کھالینا ضروری ہے اور اس میں بھی ثواب ہے۔

(۳)اور کبھی کھانا کھانا حرام ہو جاتا ہے اور یہ بھوک سے اتنی مقدار زیادہ کھانا ہے کہ جس سے ظن غالب ہو کہ معدہ خراب ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے "الفرض بقدرمایندفع بہ الھلاک ویمکن معہ الصلاۃ قائما اھ(۔۔۔۔وحرام)۔۔۔(وھومافوقہ)ای الشبع وھواکل طعام غلب علی ظنہ انہ افسدمعدتہ "ترجمہ: اور کھانا کھانا اتنی مقدار تک فرض ہے کہ جس سے ہلاک ہونے سے بچت ہو اور اتنی مقدار کہ جس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہو اور کھانا کبھی حرام ہوتا ہے اور یہ وہ ہے جو بھوک سے زائد ہو اور وہ اتنی مقدار میں کھانا کھانا ہے کہ جس کے متعلق غالب گمان ہو کہ یہ اس کے معدے کو خراب کر دے گا۔

(الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص560، 561، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "اتنا کھالینا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت آجائے اور روزہ رکھ سکے یعنی نہ کھانے سے اتنا کمزور ہو جائے گا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا اور نہ روزہ رکھ سکے گا، تو اس مقدار سے کھالینا ضروری ہے اور اس میں بھی ثواب ہے۔"

(بہار شریعت، ج03، حصہ16، ص373، مکتبۃ المدینہ)

حصول مال حلال اور نیت

مال حلال کا حصول ایک مباح کام ہے کہ فی نفسہ نہ ثواب ہے اور نہ گناہ اور اگر اس نیت سے حاصل کرے کہ اسے عبادت کا ذریعہ بنائے گا، مثلاً اس سے صلہ رحمی کرے گا یا حج یا عمرہ کرے گا یا فقراء سے حسن سلوک کرے گا، تو ان تمام صورتوں میں مال حلال کا حاصل کرنا ایک عبادت کا کام ہو جائے گا اور اس پر اسے ثواب ملے گا۔

حلال وطی اور نیت

حلال وطی فی نفسہ ایک مباح کام ہے اور اگر اس پر ثواب والی نیت کرے، مثلاً: اس سے صالح اولاد حاصل کروں گا، اپنے لیے اور بیوی کے لیے گناہ سے بچنے کا سامان کروں گا، تو اس پر ثواب ملتا ہے۔ التحقیق الباہر میں مال حلال اور وطی حلال کے متعلق ہے:"فانهما مباحان اذيصيران عبادة اذاقصدبهما التوصل الى الطاعات بان يقصد بالمال التصدق على الفقراء اواعانة الضعفاء وصلة الارحام وزيارة البيت المكرم وغير ذلک وبالوطء كف النفس عن الوقوع فى الحرام وقضاء حق الزوجة وحصول الولد الصالح فانهمايصيران بذلک عبادة فالمباحات تصيرمن اعمال الآخرة بالنية" ترجمہ: بے شک یہ دونوں مباح ہیں، کیونکہ جب ان کے ذریعے طاعت تک پہنچنے کا قصد کیا جائے، تو یہ دونوں عبادت بن جائیں گے۔ جیسے وہ مال کے ذریعے فقیروں پر صدقہ کرنے یا کمزوروں کی مدد کرنے اور صلہ رحمی کرنے اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے وغیرہ کا قصد کرے اور وطی کے ذریعے حرام میں پڑنے سے خود کو روکنے اور بیوی کے حق کی ادائیگی اور نیک اولاد کے حصول کا قصد کرے تو یہ دونوں اس قصد سے عبادت ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مباحات نیت کی وجہ سے اعمال آخرت میں سے ہو جاتے ہیں۔ (التحقیق الباہر مع الاشباہ والنظائر، ج 01، ص 101، مخطوطہ)

معاملات اور نیت

ان کی کئی اقسام ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہیں:

بیع وشراء (خرید وفروخت) اور نیت

یہ بغیر نیت کے بھی درست ہو جاتے ہیں۔ بیع وشراء کے الفاظ اردو میں دونوں ماضی کے ہوں، یا ایک حال کا اور ایک ماضی کا۔ اردو میں ایسا لفظ نہیں کہ جس میں حال اور استقبال دونوں کا احتمال ہو، تو نیت سے ایک معنی کو متعین کرنا پڑے۔ لہٰذا اردو میں کسی لفظ کے لیے نیت کی ضرورت نہیں۔ ہاں، عربی میں مضارع کے صیغے میں حال واستقبال کا احتمال ہوتا ہے، تو وہاں حال کا معنی لینے کے لیے نیت کی ضرورت پڑتی ہے۔

تحفۃ الفقہاء میں ہے:"أما بيان الركن فهو الإيجاب من البائع والقبول من المشتري إلا أن ذلک قد يكون بلفظين وقد لا يتحقق إلا بثلاثة ألفاظ أما ما يتحقق بلفظين فقد يكون بدون النية وقد يكون مع النية أما من غير النية فبأن يكون اللفظان بصيغة الماضي ۔۔۔ وأما الذي لا ينعقد بدون النية فأن يخبر عن نفسه في المستقبل بلفظة الاستقبال وهو أن يقول البائع أبيع منک هذا العبد بألف أو أبذله أو أعطيكه فقال المشتري اشتريه بذلک أو آخذه ونويا الإيجاب للحال أو كان أحدهما بلفظ الماضي والآخر بلفظ المستقبل مع نية الإيجاب للحال فإنه ينعقد البيع لأن صيغة الاستقبال تحتمل الحال فصحت النية" ترجمہ: بیع کا رکن: بیچنے والے کی طرف سے ایجاب اور خریدار کی طرف قبول کرنا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ کبھی یہ رکن دو الفاظ سے ہوتا ہے اور کبھی تین الفاظ سے ہی پایا جاتا ہے۔ جب یہ دو الفاظ سے ثابت ہو، تو کبھی بغیر نیت کے ہوتا ہے اور کبھی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب بغیر نیت کے ہو، تو وہ اس طرح ہو گا کہ دونوں لفظ ماضی کے صیغے ہوں۔۔۔ اور بہر حال وہ صورت جو نیت کے بغیر منعقد نہیں ہوتی وہ یہ کہ وہ اپنے بارے میں مستقبل کے الفاظ کے ساتھ خبر دے، مثلاً بیچنے والا کہے: أبيع منک هذا العبد بألف أو أبذله أو أعطيكه (میں تمہیں یہ غلام ایک ہزار کے بدلے بیچتا ہوں / بیچوں گا، یا دیتا ہوں / دوں گا) تو خریدار کہے: اشتريه بذلک أو آخذه (میں اسے اتنے کے بدلے خریدتا ہوں / خریدوں گا یا لیتا ہوں / لوں

گا۔)اور دونوں زمانہ حال میں ایجاب کی نیت کر لیں یا ان میں سے ایک ماضی کے الفاظ کہے اور دوسرا حال میں ایجاب کی نیت سے مستقبل کے الفاظ کہے تو وہ بیع منعقد ہو جائے گی، کیونکہ مستقبل کا صیغہ حال کا احتمال رکھتا ہے، تو نیت درست ہو گئی۔ (تحفۃ الفقہاء، ص230-229، کوئٹہ)

مذاق اور مجبوری میں خرید و فروخت اور نیت

یہ یاد رہے کہ ہزل یعنی مذاق کی صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ بیع کی درستی کے لیے نیت شرط ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں عاقدین کی رضامندی نہیں ہوتی، جبکہ بیع میں رضامندی ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکراہ شرعی کی صورت میں بھی بیع درست نہیں ہوتی۔ بدائع الصنائع میں بیع کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا: " (ومنها) الرضا لقول اللہ تعالی: { اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ} [النساء: 29] عقیب قوله - عز اسمه - { يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ } [النساء: 29] وقال - عليه الصلاة والسلام -: «لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب من نفسه» فلا يصح بيع المكره إذا باع مكرها وسلم مكرها؛ لعدم الرضا، فأما إذا باع مكرها وسلم طائعا فالبيع صحيح على ما نذكره في كتاب الإكراه؛ ولا يصح بيع الهازل؛ لأنه متكلم بكلام البيع لا على إرادة حقيقته فلم يوجد الرضا بالبيع "ترجمہ: ان میں سے ایک شرط رضامندی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے بعد: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ فرمایا: مگر یہ کہ آپسی رضامندی سے تجارت ہو اور حضور نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: کسی مسلمان کی رضامندی کے بغیر اس کا مال حلال نہیں ہے۔ لہذا مکرہ (حالت اکراہ والے) کی بیع درست نہیں ہے، جبکہ وہ مجبوراً بیچے اور مجبوراً سپرد کرے، کیونکہ اس کی رضامندی نہیں ہے، اگر اس نے مجبوراً بیچا لیکن خوشی سے سپرد کیا تو بیع صحیح ہے، اس کے مطابق جو ہم نے کتاب الاکراہ میں ذکر کیا ہے اور مذاق کرنے والے کی بیع درست نہیں ہے، کیونکہ وہ بیع کے الفاظ تو کہہ رہا ہے، لیکن ان کے اصل معنی مراد نہیں لے رہا، لہذا بیچنے پر اس کی رضامندی نہیں پائی گئی۔ (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی شرائط صحۃ فی البیوع، ج04، ص388، کوئٹہ)

اقالہ (عقد ختم کرنا) اجارہ (کرائے پر دینا) اور نیت

اسی طرح اقالہ (عقد ختم کرنے) اور اجارہ (کرائے پر دینے) کے درست ہونے کے لیے بھی نیت شرط نہیں ہے۔ التحقیق الباہر اور الاشباہ والنظائر میں ہے: " (فالبیع) ... (لایتوقف علیها) ای النیة للصحة (وکذا الاقالة والاجارة) لانهما فی حکم البیع "ترجمہ: بیع کا درست ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے، اسی طرح اقالہ اور اجارہ ہیں، کیونکہ یہ دونوں بیع کے حکم میں ہیں۔

(التحقیق الباہر مع الاشباہ والنظائر، ج01، ص101، مخطوطہ)

ہبہ (گفٹ) اور نیت

ہبہ (گفٹ) کے درست ہونے کے لیے بھی نیت شرط نہیں ہے۔

ہبہ میں نیت نہ ہونے کا فائدہ

ہبہ درست ہونے کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، لہذا اس کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اگر مذاق میں ہبہ کیا، تو بھی ہبہ درست ہو جاتا ہے۔ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: " رجل قال لآخر على وجه المزاح هب لي هذا الشيء، فقال وهبته لك، فقال قبلت وسلم الهبة

جاز" ترجمہ: ایک شخص نے دوسرے سے بطور مزاح کہا: مجھے یہ چیز ہبہ کر دو، تو اس نے کہا میں یہ چیز تمہیں ہبہ کی، اس پر اس نے کہا میں نے قبول کیا اور ہبہ سپرد کر دیا، تو یہ ہبہ درست ہو گیا۔ (الجوھرۃ النیرۃ، کتاب الھبۃ، ج02، ص29، کراچی)

مجبوری میں گفٹ اور نیت

ہاں اکراہ شرعی پائے جانے کی صورت میں ہبہ درست نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ نیت شرط ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں رضامندی نہیں پائی جا رہی۔ المبسوط للسرخسی میں ہے:" الھبة من المکرہ لا تصح؛ لأن شرط صحة الھبة تمام الرضا، والإکراہ یعدم الرضا۔" ترجمہ: مکرہ کی طرف سے ہبہ درست نہیں، کیونکہ مکمل رضامندی ہبہ کے درست ہونے کی شرط ہے اور اکراہ رضامندی کو ختم کر دیتا ہے۔ (المبسوط للسرخسی، کتاب الھبۃ، ج12، ص52، کراچی)

ہبہ کے الفاظ اور نیت

یہ یاد رہے کہ ہبہ کے الفاظ دو طرح کے ہیں: (الف) صریح اور (ب) کنایہ۔

(الف) صریح کے لیے تو نیت شرط نہیں۔ (ب) جبکہ کنایہ میں چونکہ غیر ہبہ کا بھی احتمال ہے، تو یہاں ہبہ کی تعیین کے لیے نیت شرط ہے۔ درر شرح غرر میں ہے:" (وتصح بإیجاب کوھبت)، فإنه صریح فیھا۔۔۔ (وجعلته لک عمری وحملتک علی ھذہ الدابة لو نوی) أي نوی بالحمل الھبة؛ لأنه لیس بصریح فیھا فیحتاج فیھا إلی النیة؛ لأنه یراد به الھبة یقال حمل الأمیر فلانا علی الفرس یراد به التملیک" ترجمہ: (ہبہ ایجاب سے درست ہو جاتا ہے، جیسے میں نے ہبہ کیا) اور یہ ہبہ کا صریح لفظ ہے۔ (اور میں نے یہ چیز عمر بھر کے لیے تیری کر دی اور میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا، تو اگر ہبہ کی نیت کی (تو ہبہ ہو گیا) یعنی سوار کرنے سے ہبہ کی نیت کی، کیونکہ یہ ہبہ کے لیے صریح نہیں ہے، اس لیے اس میں نیت کی حاجت ہو گی، کیونکہ اس سے ہبہ مراد لیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: امیر نے فلاں کو گھوڑے پر سوار کیا اور اس سے مراد مالک بنانا ہوتا ہے۔ (درر شرح غرر، ج02، ص217، کراچی)

التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر میں ہے:" واماالھبة فلاتتوقف علی النیة یعنی فیمایکون صریحا فیھا واما کنایتھا کحملتک علی ھذہ الدابة فیحتاج الیھا کمافی الزیلعی والدرر" ترجمہ: ہبہ نیت پر موقوف نہیں ہوتا یعنی ان الفاظ میں جو ہبہ کے لیے صریح ہیں۔ بہر حال کنایہ الفاظ جیسے: میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا، تو یہ محتاج نیت ہیں۔ جیسا کہ زیلعی اور درر میں ہے۔

(التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر، ج01، ص103، مخطوطہ)

طلاق اور نیت

طلاق کے دو قسم کے الفاظ ہیں: (۱) ایک صریح اور (۲) دوسرے کنایہ۔

(۱) صریح اور نیت

صریح، نیت کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ اگر ان سے کوئی دوسری نیت کرے بھی تو قضاءً معتبر نہیں ہوتی۔

صریح الفاظ میں نیت ضروری نہ ہونے کے فوائد واحکام

طلاق کے صریح الفاظ میں نیت ضروری نہیں ہے، لہذا (الف) غفلت میں طلاق دے، یا (ب) بھول کر، یا (ج) خطاو غلطی سے، یعنی کہنا کچھ چاہتا تھا، زبان پھسل گئی اور بیوی کے متعلق الفاظ طلاق نکل گئے۔ مثلا: بیوی سے پانی کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا، زبان سے غلطی سے الفاظ طلاق نکل گئے، یا (د) مذاق میں، یا (ہ) نشے میں طلاق دے، بہر صورت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (و) یہاں تک کہ الفاظ مصحفہ، یعنی جو الفاظِ طلاق بگاڑ دیئے گئے ان سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ملتقی الابحر میں ہے: "صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق ومطلقة وطلقتك "ترجمہ: طلاق کے صریح الفاظ وہ ہیں جو خاص طلاق کے لیے ہی استعمال ہوں اور یہ نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ جیسے تو طلاق والی ہے، تو طلاق یافتہ ہے اور میں نے تجھے طلاق دی۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانھر، کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، ج02، ص11، کوئٹہ)

فتح القدیر میں ہے: "لو قال: أنت طالق ثم قال: نويت من وثاق لا يصدق في القضاء لأنه خلاف الظاهر "ترجمہ: اگر کہا: تو طلاق والی ہے پھر کہا: میں نے یہ نیت کی تھی کہ تو بندش سے آزاد ہے، تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الطلاق، ج04، ص61، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل) ولو تقديرا بدائع، ليدخل السكران (ولو عبدا أو مكرها)---(أو هازلا) لا يقصد حقيقة كلامه (أو سفيها)---(أو مخطئا) بأن أراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق أو تلفظ به غير عالم بمعناه أو غافلا أو ساهيا---أو بألفاظ مصحفة يقع قضاء فقط، بخلاف الهازل واللاعب فإنه يقع قضاء وديانة لأن الشارع جعل هزله به جدا فتح "ترجمہ: ہر عاقل بالغ شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ تقدیرا عاقل ہو، بدائع (تقدیرا اس لیے کہا) تاکہ نشہ والا اس میں داخل ہو جائے، اگرچہ غلام ہو یا مکرہ ہو یا مذاق کرنے والا ہو جو اپنے کلام کے حقیقی معنیٰ کا قصد نہیں کرتا، یا سفیہ ہو یا خطا کرنے والا ہو بایں طور کہ اس نے طلاق کے علاوہ الفاظ کہنے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی زبان پر طلاق کے الفاظ جاری ہو گئے یا اس نے الفاظ طلاق اس حالت میں کہے کہ اسے ان کا معنیٰ معلوم نہیں تھا یا وہ معنیٰ سے غافل تھا یا بھول چکا تھا یا اس نے الفاظ بگاڑ کر کہے تو فقط قضاءً واقع ہو جائے گی برخلاف مذاق اور کھیل کو د والے کے کہ ان کی قضاءً اور دیانۃً دونوں طرح واقع ہو جائے گی، کیونکہ شارع علیہ السلام نے طلاق کے مذاق کو سنجیدگی قرار دیا ہے۔ فتح۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، ج04، ص427 تا436، کوئٹہ)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: "وكذلك إذا أراد غير الطلاق فسبق لسانه بالطلاق وقع، لأنه عدم القصد وهو غير معتبر فيه. وروى هشام عن محمد عن أبي حنيفة أن من أراد أن يقول لامرأته اسقيني الماء فقال أنت طالق، وقع. "ترجمہ: اور اسی طرح جب طلاق کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ کیا، لیکن سبقت لسانی سے الفاظ طلاق نکل گئے، تو طلاق واقع ہو گئی، کیونکہ یہ قصد کا نہ ہونا ہے اور طلاق میں قصد معتبر نہیں ہے (یعنی طلاق میں قصد ہونا ضروری نہیں) اور حضرت ہشام نے امام محمد سے، انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ جس نے اپنی بیوی سے یہ کہنا چاہا: "مجھے پانی پلادو" لیکن یہ کہہ دیا: "تو طلاق والی ہے" تو طلاق واقع ہو گئی۔

(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الطلاق، حکم طلاق المکرہ الخ، ج03، ص156، کراچی)

طلاق اور بیوی کا قصد

ہاں! یہ یاد رہے کہ طلاق واقع ہونے کے لیے الفاظِ طلاق سے عورت کا قصد کرنا ضروری ہے۔ اگر مسائلِ طلاق کی تکرار کرتے ہوئے یہ جملہ کہا: "میری بیوی طلاق والی ہے" اس سے اپنی بیوی کو طلاق دینا مقصود نہیں تھا، یا کسی اور طرح حکایت کی اور اپنی بیوی مراد نہیں، تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے: "لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده في الفتح، وحققه في النهر، احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته" ترجمہ: طلاق کے قضاء اور دیانۃً (دونوں طرح) واقع ہونے کے لیے لفظ طلاق کا معنی جانتے ہوئے اس لفظ کی بیوی کی طرف اضافت کا قصد کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے اس لفظ سے کوئی اور ایسا معنی مراد نہ لیا ہو جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے، جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا اور نہر میں اس کی تحقیق فرمائی۔ اِن صورتوں سے احتراز کرنے کے لیے کہ اگر کسی نے بیوی کی موجودگی میں مسائل طلاق کی تکرار کی یا کسی کے خط سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ میری بیوی طلاق والی ہے اور اس کو زبان سے بھی دُہرایا یا کسی دوسرے کی قسم کی حکایت کرتے ہوئے الفاظ کہے تو جب تک یہ اپنی بیوی کا قصد نہ کرے بالکل بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق، باب صریح الطلاق، ج04، ص448، کوئٹہ)

(۲) کنایہ اور نیت اور دلالت حال

الفاظِ کنایہ کہ جن میں طلاق کے علاوہ کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ ان میں معنی طلاق کی تعیین کے لیے یا تو نیت کی ضرورت ہوتی ہے، یا دلالتِ حال یعنی غصہ یا مذاکرہ طلاق کی۔ در مختار میں ہے: " (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب" ترجمہ: فقہائے کرام کے نزدیک طلاق کے لفظِ کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے، جو طلاق کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو اور اس میں طلاق اور اس کے علاوہ دونوں معنی کا احتمال ہو، لہٰذا کنایات سے اسی صورت میں قضاء طلاق ہوگی جب نیت یا دلالت حال یعنی مذاکرہ طلاق یا غضب ہو۔

(الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات، ج04، ص514 تا 516، کوئٹہ)

رجعت (طلاق کے بعد رجوع) اور نیت

رجعت، فعل یعنی جماع یا شہوت کے ساتھ بوسہ لینے وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن مکروہ ہے اور قول یعنی الفاظ سے بھی ہو جاتی ہے۔

رجعت کے الفاظ بھی دو طرح کے ہیں: (۱) ایک صریح، (۲) دوسرے کنایہ۔

(۱) صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی۔

صریح میں نیت کی حاجت نہ ہونے کے فوائد

صریح الفاظ سے رجعت ہونے کے لیے نیت کی حاجت نہیں ہوتی، لہٰذا (الف) مذاق میں، (ب) کھیل کود میں، (ج) مجبوری میں، اور (د) غلطی سے یعنی کہنا کچھ چاہتا تھا کہ الفاظِ رجعت زبان سے نکل گئے، ان تمام صورتوں میں رجعت ہو جاتی ہے۔

(۲) جبکہ کنایہ میں نیت کی حاجت ہوتی ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: " وإن راجعها بالفعل مثل أن يطأها أو يقبلها بشهوة أو ينظر إلى فرجها بشهوة فإنه يصير مراجعا عندنا إلا أنه يكره له ذلك ويستحب أن يراجعها بعد ذلك بالإشهاد كذا في الجوهرة النيرة. (. ألفاظ الرجعة صريح وكناية) (فالصريح): راجعتك في حال خطابها أو راجعت امرأتي حال غيبتها وحضورها أيضا ومن الصريح ارتجعتك ورجعتك ورددتك وأمسكتك ۔۔۔ فهذه يصير مراجعا بها بلا نية. (والكناية) : أنت عندي كما كنت وأنت امرأتي فلا يصير مراجعا إلا بالنية كذا في فتح القدير. "ترجمہ: اگر بیوی سے فعل کے ساتھ رجوع کیا، مثلا اس سے صحبت کی یا اسے شہوت سے بوسہ دیا یا شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھا، تو وہ ہمارے نزدیک رجوع کرنے والا ہو گیا، مگر یہ کہ اس طرح رجوع کرنا مکروہ ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے بعد گواہ بنا کر (دوبارہ) رجوع کرے، الجوہرۃ النیرۃ میں اسی طرح ہے۔ رجوع کے کچھ الفاظ صریح ہیں اور کچھ کنایہ۔ صریح الفاظ: (جیسے) بیوی کی موجودگی میں کہا میں نے تجھ سے رجوع کیا یا بیوی کی موجودگی و غیر موجودگی میں کہا: میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا اور صریح الفاظ میں سے بعض یہ ہیں: میں نے تجھے واپس لوٹایا، میں نے تجھ سے رجوع کیا، میں نے تجھے لوٹالیا، میں نے تجھے روک لیا۔ پس ان الفاظ کے ذریعے بغیر نیت کے بھی رجوع کرنے والا ہو گا اور الفاظ کنایہ: جیسے کہا: تو میرے نزدیک ویسی ہی ہے جیسی تھی، تو میری بیوی ہے۔ ان الفاظ سے نیت کے ساتھ ہی رجوع کرنے والا ہو گا، فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعۃ۔۔ الخ، ج01، ص468، کوئٹہ)

در مختار میں رجعت کے متعلق ہے: " وتصح مع إكراه وهزل ولعب وخطإ "ترجمہ: اکراہ، مذاق، کھیل کود اور خطا کے باوجود رجوع ہو جاتا ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: " (قوله: وخطأ) كأن أراد أن يقول: اسقني الماء فقال راجعت زوجتي "ترجمہ: خطا جیسے یہ کہنا چاہتا تھا: مجھے پانی پلا دو، لیکن یہ کہہ دیا: میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، ج05، ص27، کوئٹہ)

تفویض طلاق، خلع، ایلاء، ظہار اور نیت

ان کے بھی دو قسموں کے الفاظ ہیں: (الف) صریح، (ب) کنایہ۔

(الف) جو صریح ہیں ان میں نیت کی حاجت نہیں۔

(ب) اور جو کنایہ ہیں ان میں نیت کی حاجت پڑتی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: " واما تفويض الطلاق والخلع والايلاء والظهار، فما كان منه صريحا لا يشترط له النية وما كان كناية اشترطت له "ترجمہ: بہر حال تفویض طلاق (طلاق کا اختیار عورت کو دینا)، خلع، ایلا اور ظہار کے وہ الفاظ جو صریح ہیں ان میں نیت شرط نہیں اور جو الفاظ کنایہ ہیں ان میں نیت شرط ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص29، مطبوعہ کراچی)

یمین باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات کی قسم اور نیت

اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات کی قسم درست ہونے کے لیے یا ایسی قسم ٹوٹنے کے لیے نیت ضروری نہیں۔

قسم کے معاملے میں نیت ضروری نہ ہونے کے فوائد و احکام

۱: قسم کسی طریقے سے بھی کھائی جائے منعقد ہو جاتی ہے، مثلا:

(الف) قسم جان بوجھ کر کھائے یا (ب) بھول کر (ج) غلطی سے یعنی قسم کھانا نہیں چاہتا تھا، لیکن غلطی سے قسم کے الفاظ نکل گئے، مثلا: کہنا چاہتا تھا کہ پانی پیوں گا اور غلطی سے الفاظ یہ نکل گئے کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا یا (د) مجبوری سے، بہر صورت منعقد ہو جاتی ہے۔

۲: جس کام کی قسم کھائی تھی وہ کسی طرح بھی کیا جائے قسم ٹوٹ جاتی ہے، مثلا:

(الف) جس چیز کی قسم کھائی اسے جان بوجھ کر کرے یا (ب) بھول کر (ج) غلطی سے یا (د) مجبوری سے، (ہ) بیہوشی میں، یا (و) جنون کی حالت میں، بہر صورت قسم ٹوٹ جاتی ہے۔ در مختار میں ہے: "(و) ثالثها (منعقدة وهي حلفه على) مستقبل (آت) يمكنه،۔۔۔(و) هذا القسم (فيه الكفارة)۔۔۔ (إن حنث، وهي) أي الكفارة (ترفع الإثم وإن لم توجد) منه (التوبة) عنها (معها) أي مع الكفارة سراجية (ولو) الحالف (مكرها) أو مخطئا أو ذاهلا أو ساهيا (أو ناسيا) بأن حلف أن لا يحلف ثم نسي وحلف، فيكفر مرتين: مرة لحنثه وأخرى إذا فعل المحلوف عليه عيني لحديث «ثلاث هزلهن جد» منها اليمين (في اليمين أو الحنث) فيحنث بفعل المحلوف عليه مكرها خلافا للشافعي (وكذا) يحنث (لو فعله وهو مغمى عليه أو مجنون) فيكفر بالحنث كيف كان. "ترجمہ: قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے اور یہ وہ قسم ہے، جو زمانہ مستقبل میں کسی ممکن کام پر اٹھائے اور اس قسم کو اگر توڑا تو اس میں کفارہ ہے اور یہ کفارہ گناہ ختم کر دے گا، اگرچہ وہ کفارہ کے ساتھ توبہ نہ کرے، سراجیہ۔ اگرچہ یہ قسم اٹھانے والا قسم اٹھانے یا قسم توڑنے میں مکرہ (حالت اکراہ میں) یا خطا کرنے والا یا مذاق کرنے والا یا بھولنے والا ہو۔ جیسے اس نے قسم اٹھائی (تھی) کہ وہ (کبھی) قسم نہیں اٹھائے گا پھر وہ بھول گیا اور قسم اٹھالی، تو وہ دو مرتبہ کفارہ دے، ایک کفارہ پہلی قسم ٹوٹنے کی وجہ سے دے اور دوسرا کفارہ اس وقت جب وہ اب کی قسم والا فعل کرلے (یعنی جب یہ قسم توڑے) کیونکہ حدیث پاک میں ہے: تین چیزوں کو مذاق میں کرنا بھی سنجیدگی ہے۔ ان میں سے ایک قسم ہے۔ پس حالت اکراہ میں اس فعل کو کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی، جس پر قسم اٹھائی تھی، برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اسی طرح اگر اس نے یہ فعل بے ہوشی یا جنون کی حالت میں کیا تو قسم ٹوٹ گئی اور جو بھی حالت تھی کفارہ لازم ہو گیا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الایمان، ج05، ص496، کوئٹہ)

درر شرح غرر میں ہے: "(وكفر فيه) أي في هذا القسم (فقط) أي دون الأولين۔۔۔(إن حنث) الحالف وقوله فقط إشارة إلى خلاف الشافعي في الغموس فإن الكفارة تجب فيها أيضا عنده (ولو) كان الحالف (مكرها أو ناسيا) أي مخطئا كما إذا أراد أن يقول: اسقني الماء، فقال: والله لا أشرب الماء "ترجمہ: (اگر) (قسم اٹھانے والے نے (قسم توڑی تو صرف اِس قسم میں کفارہ دے گا،) پہلی دو میں کفارہ لازم نہیں اور فقط کہنے میں یمین غموس کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے، بے شک ان کے نزدیک اس میں بھی کفارہ لازم ہے۔ (اگرچہ وہ) قسم اٹھانے والا (مکرہ یا بھول کرنے والا ہو) یعنی خطا کرنے والا ہو جیسے جب یہ کہنے کا ارادہ کیا: مجھے پانی پلاؤ، لیکن یہ کہہ دیا: اللہ کی قسم پانی نہیں پیوں گا۔ (درر شرح غرر، کتاب الایمان، انواع الیمین، ج02، ص39، کراچی)

قسم کے عموم والے الفاظ میں تخصیص کی نیت

قسم کے عموم والے الفاظ میں تخصیص کی نیت مقبول ہے یا نہیں، مثلا الفاظ یہ کہے کہ جس عورت سے بھی میں شادی کروں اسے طلاق ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ فلاں شہر کی جس عورت سے شادی کروں، بقیہ شہروں کی عورتیں میری مراد نہیں تھیں، اس میں اختلاف ہے۔ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قضاء مقبول نہیں اور یہی مفتی بہ ہے، جبکہ امام خصاف کے نزدیک مقبول ہے۔

تخصیص کی نیت میں اختلاف کا فائدہ

اگر کوئی ظالم کسی سے قسم لے اور اس میں مظلوم نیتِ تخصیص کرلے، تو اس کے لیے قولِ امام خصاف پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ در مختار میں ہے: "(نية تخصيص العام تصح ديانة) إجماعا، فلو قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق ثم قال: نويت من بلد كذا (لا) يصدق (قضاء) وكذا من غصب دراهم إنسان فلما حلفه الخصم عاما نوى خاصا (به يفتى) خلافا للخصاف. وفي الولوالجية: متى حلفه ظالم وأخذ بقول الخصاف، فلا بأس." ترجمہ: عام کو خاص کرنے کی نیت دیانۃ بالاتفاق درست ہے، لہٰذا اگر کہا: ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں، تو وہ طلاق والی ہے، پھر کہتا ہے میں نے فلاں شہر کی عورتوں کی نیت کی تھی، تو قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جس نے کسی انسان کے دراہم غصب کیے، پھر جب مد مقابل نے عام قسم لی، تو اس نے خاص کی نیت کرلی۔ اسی پر فتوی ہے، امام خصاف کا اس میں اختلاف ہے اور ولوالجیہ میں ہے: جب ظالم نے کسی سے قسم لی اور اس نے امام خصاف کے قول پر عمل کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "والحاصل أن نية تخصيص العام تصح في ظاهر الرواية ديانة فقط، وعند الخصاف تصح قضاء أيضا وهذا إذا كان العام مذكورا وإلا فلا تصح نية تخصيصه أصلا في ظاهر الرواية۔۔۔والحاصل أنه لو حلفه ظالم فحلف ونوى تخصيص العام أو غير ذلك مما هو خلاف الظاهر وعلم القاضي بحاله لا يقضي عليه؛ بل يصدقه أخذا بقول الخصاف، وأما إذا لم يكن مظلوما فلا يصدقه فافهم." ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ عام کو خاص کرنے کی نیت ظاہر الروایہ کے مطابق صرف دیانۃ درست ہے اور امام خصاف کے نزدیک قضاء بھی درست ہے اور یہ اس وقت ہے جب عام لفظ ذکر کیا جائے، ورنہ ظاہر الروایہ میں اس کی بالکل بھی تخصیص درست نہیں ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کسی ظالم نے قسم اٹھوائی اور اس نے قسم اٹھائی اور عام کو خاص کرنے کی نیت کرلی یا اس کے علاوہ کسی ایسے امر کی نیت کی جو خلاف ظاہر ہو اور قاضی کو اس کے حال کا علم ہو، تو قاضی اس کے خلاف فیصلہ نہ کرے، بلکہ وہ امام خصاف کے قول کو لیتے ہوئے اس کی تصدیق کرے اور جب یہ مظلوم نہ ہو، تو پھر اس کی تصدیق نہ کرے۔ اس کو سمجھ لو۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الایمان، ج05، ص612، کوئٹہ)

اقرار، وکالت، ودیعت رکھنا، عاریت پر دینا، تہمت لگانا، چوری کرنا اور نیت

یہ تمام کام بغیر نیت درست ہو جاتے ہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "واما الاقرار والوكالة فيصحان بدونها وكذا الايداع والاعارة والاجارة كذا القذف والسرقة" ترجمہ: بہر حال اقرار اور وکالت یہ دونوں نیت کے بغیر درست ہیں اور اسی طرح ودیعت رکھنا، عاریت پر دینا اور اجارہ کرنا، اسی طرح تہمت لگانا اور چوری کرنا۔ (الاشباہ والنظائر، ص29، مطبوعہ کراچی)

تاوان اور نیت

تاوان کے معاملے میں بھی نیت کا عمل دخل ہے کہ بعض اوقات ایک نیت سے تاوان لازم آئے گا اور بعض اوقات ایک نیت سے تاوان لازم نہیں آئے گا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) کسی نے کسی کے پاس لباس امانت رکھا، اس نے بلا اجازت استعمال کیا، رات کو اتار دیا، لیکن اس نیت سے کہ صبح دوبارہ پہنوں گا، اور رات میں وہ ضائع ہو گیا، تو اس پر تاوان لازم آئے گا، لیکن اگر تعدی سے رجوع کی نیت سے اتارا یعنی اس نیت سے کہ میں نے بلا اجازت استعمال کر کے غلطی کی اب استعمال نہیں کروں گا، تو رات کو اس کی تعدی کے بغیر ضائع ہونے پر تاوان نہیں ہو گا۔ بحر الرائق میں ہے: "عن الظهيرية أنه يزول الضمان عنه بشرط أنه لا يعزم على العود إلى التعدي حتى لو نزع ثوب الوديعة ليلا ومن عزمه أن يلبسه نهارا ثم سرق ليلا لا يبرأ عن الضمان "ترجمہ: ظہیریہ سے منقول ہے: اس سے ضمان اس شرط کے ساتھ ختم ہو گا کہ وہ تعدی کی طرف لوٹنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، یہاں تک کہ اگر امانت کا کپڑا رات کو اتارا اور صبح پہننے کا اس کا ارادہ تھا، پھر رات کو ہی وہ کپڑا چوری ہو گیا، تو وہ ضمان سے بری نہیں ہو گا۔

(البحر الرائق، کتاب الودیعۃ، ج07، ص471، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے: " وإذا تعدى المودع في الوديعة بأن كانت دابة فركبها أو ثوبا فلبسه أو عبدا فاستخدمه أو أودعها عند غيره ثم أزال التعدي فردها إلى يده زال الضمان "ترجمہ: اور جس کے پاس امانت رکھی گئی، جب اس نے امانت میں تعدی کی یوں کہ جانور کو امانت رکھا گیا تھا، اس نے اس پر سواری کی یا کپڑا امانت رکھا گیا تو اس نے اس کو پہن لیا یا غلام کو امانت رکھا گیا تو اس نے اس سے خدمت لی یا اس امانت کو کسی دوسرے کے پاس امانت رکھا، پھر تعدی ختم کر دی اور اسے اپنے پاس واپس لے لیا، تو تاوان زائل ہو گیا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الودیعۃ، ج04، ص347,348، کوئٹہ)

(ب) لقطہ اگر خود رکھنے کی نیت سے اٹھایا، تو تاوان ہے اور اگر مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھایا، تو تاوان نہیں، لیکن نیت ایک باطنی یعنی پوشیدہ معاملہ ہے، جس پر دوسروں کو اطلاع نہیں ہو سکتی، لہذا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تاوان سے بری ہونے کے لیے حتی الامکان گواہ بنانا ضروری ہے یا مالک اس کی تصدیق کر دے کہ تم نے مجھے دینے کے لیے اٹھایا تھا، پس اگر گواہ نہ بنائے جبکہ گواہ بنانا ممکن تھا، کوئی رکاوٹ نہ تھی اور دونوں میں اختلاف ہو گیا، مالک یہ کہتا ہے کہ تو نے اپنے استعمال میں لانے کے لیے لقطہ اٹھایا تھا، تو ایسی صورت میں اس پر تاوان ہے، جبکہ صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک تاوان سے بری ہونے کے لیے فقط مالک تک پہنچانے کی نیت کافی ہے، گواہ بنانے کی حاجت نہیں۔

شرح المجلۃ میں ہے: "وفی اللقطة يضمنهابنية اخذهالنفسه وبنية ردهالصاحبهالا، لكن النية امرباطن لايطلع عليه، فعليه الاشهادللتخلص من الضمان عندابی حنيفة، وقالا مجرد نية الرد لا توجب عليه الضمان "ترجمہ: اور لقطے میں اپنے لیے لینے کی نیت سے اٹھانے کی صورت میں تاوان لازم آئے گا اور مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھانے میں تاوان نہیں ہو گا، لیکن نیت ایک پوشیدہ چیز ہے جس پر دوسرے کو اطلاع نہیں ہوتی، پس امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اٹھانے والے پر تاوان سے بچنے کے لیے گواہ بنانا لازم ہے اور صاحبین نے فرمایا: مالک تک پہنچانے کی محض نیت سے ہی تاوان سے بچت ہو جائے گی۔ (شرح المجلۃ، ج01، ص14، کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے: " ولو تصادقا على أنه أخذها للمالك فلا ضمان إجماعا لأن تصادقهما حجة في حقهما كالبينة وبه علم أن الإشهاد إنما هو شرط عند الاختلاف بأن قال الملتقط أخذته للمالك وكذبه المالك۔۔۔ ومحل اشتراط الإشهاد عند الإمكان فلو لم يجد من يشهده عند الرفع أو خاف أنه لو أشهد عند الرفع يأخذه منه الظالم فترك الإشهاد لا يضمن كذا في الخانية "ترجمہ: اور اگر لقطہ اٹھانے والے اور مالک دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اٹھانے والے نے مالک کے لیے اٹھایا تھا، تو بالاتفاق تاوان نہیں

کیونکہ ان دونوں کا اتفاق ان کے حق میں گواہوں کی طرح حجت ہے اور اسی سے یہ پتا چلا کہ گواہ بنانا صرف اسی صورت میں شرط ہے جب دونوں کا اختلاف ہو، یوں کہ اٹھانے والا کہے میں نے مالک کے لیے اٹھایا اور مالک اسے جھٹلائے، اور گواہ بنانے کی شرط اس وقت ہے، جبکہ گواہ بنانا ممکن ہو، پس اگر اٹھاتے وقت کوئی ملاہی نہیں کہ جسے گواہ بناتا یا اسے اندیشہ ہو کہ اگر اٹھاتے وقت گواہ بنائے تو ظالم اس چیز کو اس سے لے لے گا، اس وجہ سے گواہ نہ بنائے، تو اس پر تاوان نہیں ہو گا، اسی طرح خانیہ میں ہے۔ (البحر الرائق، کتاب اللقطۃ، ج05، ص254، کوئٹہ)

قصاص اور نیت

قصاص کا لزوم نیت پر موقوف ہے، لیکن نیت پر جب دوسروں کو اطلاع نہیں ہو سکتی، تو آلے کو نیت کے قائم مقام کر دیا گیا، کہ اگر اسلحہ وغیرہ سے ہو تو یہ قتلِ عمد ہو گا اور اس پر قصاص بھی ہو گا اور اگر ایسا آلہ نہیں ہو گا، تو قصاص نہیں ہو گا۔ تبیین الحقائق میں ہے: "وذكر محمد - رحمه الله - في الأصل أنه على ثلاثة أوجه عمد وشبه عمد. وخطأ قال - رحمه الله - (موجب القتل عمدا، وهو ما تعمد ضربه بسلاح ونحوه في تفريق الأجزاء كالمحدد من الحجر والخشب والليطة والنار الإثم والقود عينا) أي القتل الموصوف بهذه الصفة يوجب الإثم والقصاص متعينا أما اشتراط العمدية فلأن الجناية لا تتحقق دونها ولا بد منها ليترتب عليها العقوبة لقوله - عليه الصلاة والسلام - «رفع عن أمتي الخطأ والنسيان» الحديث، وأما اشتراط السلاح أو ما جرى مجرى السلاح؛ فلأن العمد هو القصد، وهو فعل القلب لا يوقف عليه إذ هو أمر مبطن فأقيم استعمال الآلة القاتلة غالبا مقامه تيسيرا كما أقيم السفر مقام المشقة." ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل میں ذکر کیا کہ قتل کی تین قسمیں ہیں: عمد، شبہ عمد، خطا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قتلِ عمد گناہ اور خاص جان کا قصاص لازم کرتا ہے اور قتلِ عمد سے مراد وہ ہے کہ جس میں جان بوجھ کر مارا جائے اسلحہ سے اور اجزاء کو جدا کرنے میں اس جیسی کسی دوسری چیز سے مثلاً دھاری دار پتھر اور لکڑی، کھپچی اور آگ، جان بوجھ کر مارنے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اس کے بغیر جرم ثابت نہیں ہوتا، حالانکہ جرم پر سزا دینے کے لیے (پہلے) جرم کا ثابت ہونا ضروری ہے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: میری امت سے خطا اور بھول چوک کو اٹھا لیا گیا ہے۔ الحدیث اور اسلحہ یا اس کے قائم مقام کی شرط اس لیے ہے کہ جان بوجھ کر ہونا قصد ہے اور یہ دل کا فعل ہے، جس پر واقفیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ ایک باطنی معاملہ ہے تو آسانی کرتے ہوئے غالب طور پر قتل کرنے والے آلہ کو اس کے قائم مقام قرار دے دیا گیا جیسا کہ سفر کو مشقت کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ (تبیین الحقائق، کتاب الجنایات، ج06، ص98-97، ملتان)

ترکِ اعمال اور نیت

نیز حدیث پاک میں اعمال کا دارومدار نیت پر بتایا گیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ترکِ اعمال (اعمال نہ کرنے) کا تحقق نیت پر موقوف نہیں ہے۔ اسی وجہ سے منہی عنہ (یعنی ناجائز کام) کا ترک، حکم خداوندی پر عمل نہیں، لہٰذا اس پر ثواب بھی نہیں۔ ہاں، جہاں گناہ کے اسباب ودواعی موجود ہوں، وہاں خوف خدا کے باعث انسان اپنے آپ کو گناہ سے روک لے، تو یہ کف ہے اور اس پر وہ ثواب پائے گا۔ اربعین نوویہ میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "ويستثنى من الأعمال ما كان قبيل التروك كإزالة النجاسة، وردّ الغصوب والعواري، وإيصال الهدية وغير ذلك، فلا تتوقّف صحّتها على النيّة المصحّحة، ولكن يتوقف الثواب فيها على نية

التقرب."ترجمہ: اعمال میں سے وہ مستثنی ہیں جو ترک کے قبیل سے ہیں، جیسے نجاست کو دور کرنا، غصب کی ہوئی اور عاریت پر لی ہوئی چیز لوٹانا، تحفہ دیناوغیرہ، ان کا درست ہونا ایسی نیت پر موقوف نہیں ہے جو ان کو درست کرنے والی ہو، البتہ ان میں ثواب ملنا ثواب کی نیت پر موقوف ہے۔

(اربعین نوویہ، الحدیث الاول، ص 21، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الاشباہ والنظائر میں ہے: "ترک المنهي عنه لا يحتاج إلى نية للخروج عن عهدة النهي، - وأما لحصول الثواب فإن كان كفا، وهو أن تدعوه النفس إليه قادرا على فعله فيكف نفسه عنه خوفا من ربه فهو مثاب، - وإلا فلا ثواب على تركه، فلا يثاب على ترك الزنا وهو يصلي، - ولا يثاب العنين على ترك الزنا، ولا الأعمى على ترك النظر إلى المحرم."ترجمہ: نہی پر عمل سے بری الذمہ ہونے کے لیے منہی عنہ کا ترک نیت کا محتاج نہیں ہے، جہاں تک ثواب کے حصول کی بات ہے، تو اگر وہ کف ہو یعنی نفس اسے اس گناہ کی طرف بلاتا ہو، وہ اس کے کرنے پر قادر ہو، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے خود کو روک لے، تو اس پر اسے ثواب ملے گا، ورنہ اسے نہ کرنے پر کوئی ثواب نہیں ہے، لہٰذا جس وقت وہ نماز میں مشغول ہے اس وقت زنا نہ کرنے پر کوئی ثواب نہیں اور نامرد کو زنا نہ کرنے پر کوئی ثواب نہیں، نہ ہی نابینا کو حرام کردہ کو نہ دیکھنے پر کوئی ثواب ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص30، مطبوعہ کراچی)

محض نیت سے ترک عمل کا تحقق

نیز یہ بات یاد رہے کہ ترکِ عمل جب عمل نہیں ہے، تو اس کا وجود محض نیت سے متحقق ہو جاتا ہے، جبکہ عمل کا وجود محض نیت سے متحقق نہیں ہوتا، بلکہ اسے بجالانا ضروری ہے۔ ان کے مطابق درج ذیل تفصیل ہے:

(الف) جو غلام تجارت کی نیت سے خریدا جب اس کے خدمت کے لیے ہونے کی نیت کرے گا، تو نیت سے ہی وہ مال تجارت ہونے سے نکل جائے گا، لیکن جو غلام خدمت کے لیے خریدا ہو وہ محض تجارت کی نیت سے مال تجارت نہیں بنے گا، کیونکہ خدمت کے لیے ہونے کی نیت کا مطلب ترک تجارت ہے، تو یہ ترکِ عمل ہے، جبکہ تجارت عمل ہے۔

(ب) اسی طرح مسافر محض نیت سے مقیم بن جائے گا۔ لیکن مقیم محض نیت سے مسافر نہیں بنے گا۔ کیونکہ مقیم ہونے کا مطلب ترکِ سفر ہے تو یہ ترکِ عمل ہے، جبکہ مسافر ہونا عمل ہے۔

(ج) نیز روزہ دار، کھانے کی محض نیت کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن جس کا روزہ نہیں وہ روزے کی محض نیت سے روزہ دار بن جاتا ہے، کہ روزہ دار ہونے کا مطلب کھانے پینے وغیرہ چیزوں کو چھوڑنا ہے، جو کہ ترکِ عمل ہے۔ جبکہ روزہ کھولنے کا مطلب کھانا پینا وغیرہ ہے، جو کہ عمل ہے۔

(د) اسلام تصدیق و اقرار کا نام ہے جو کہ عمل ہے۔ لہٰذا کافر محض نیت سے مسلمان نہیں بنے گا۔ جبکہ کفر ترکِ اسلام ہے، تو یہ ترک عمل ہے۔ لہٰذا مسلمان کفر کا ارادہ کرنے سے کافر ہو جائے گا۔

(ہ) اسی طرح فقط نیت کرنے سے نماز سے باہر نہیں ہو گا، کیونکہ نماز سے باہر ہونے کے لیے خروج بصنعہ ضروری ہے اور یہ عمل ہے۔ تو جب تک نماز کے منافی کوئی عمل نہیں ہو گا، نماز سے باہر نہیں ہو گا۔

(و) جانور کو سائمہ بنانا عمل ہے، تو محض نیت کرنے سے نہیں بنے گا اور سائمہ سے غیر سائمہ بنانا ترکِ عمل ہے، تو محض نیت سے بن جائے گا۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:"وعلی ھذا قالوا في الزکاۃ: لو نوی ما للتجارۃ أن یکون للخدمۃ کان للخدمۃ وإن لم یعمل بخلاف عکسہ، وھو ما إذا نوی فیما کان للخدمۃ أن یکون للتجارۃ لا یکون للتجارۃ حتی یعمل لأن التجارۃ عمل، فلا تتم بمجرد النیۃ، والخدمۃ ترک التجارۃ فتتم بھا. قالوا ونظیرہ المقیم والصائم والکافر والمعلوفۃ والسائمۃ. حیث لا یکون مسافرا ولا مفطرا ولا مسلما ولا سائمۃ بمجرد النیۃ، ویکون مقیما وصائما وکافرا بمجرد النیۃ لأنھا ترک العمل، کما ذکرہ الزیلعي "ترجمہ: اسی بنا پر علمانے زکاۃ کے باب میں فرمایا: جو (غلام وغیرہ) تجارت کے لیے ہے، اگر اسے خدمت کے لیے کرنے کی نیت کی، تو وہ خدمت کے لیے ہو گیا، اگرچہ وہ کوئی عمل نہ کرے، برخلاف اس کے الٹ کے یعنی جب خدمت والے (غلام وغیرہ) کو تجارت کے لیے کرنے کی نیت کی، تو وہ تجارت کے لیے نہ ہو گا، جب تک کہ وہ عملِ تجارت نہ کرے، کیونکہ تجارت ایک عمل ہے، تو یہ محض نیت سے تام (پورا) نہیں ہو گا اور خدمت، ترکِ تجارت ہے، تو وہ محض نیت سے تام ہو جائے گی۔ علمانے کہا: اس کی نظیر مقیم، روزہ دار، کافر، وہ جانور جن کو گھر پر چارہ لا کر ڈالا جاتا ہے اور سائمہ جانور ہیں، کیونکہ محض نیت سے مسافر، روزہ توڑنے والا، مسلمان اور سائمہ نہیں ہو گا اور دوسری طرف محض نیت سے مقیم، روزہ دار اور کافر ہو جائے گا، کیونکہ یہ ترکِ عمل ہے، جیسا کہ اسے زیلعی نے ذکر کیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص30، مطبوعہ کراچی)

دوسرا قاعدہ

(الامور بمقاصدھا) اعمال کا دارومدار مقاصد پر ہے۔

عمل جس مقصد سے کیا جاتا ہے، اسی مقصد کے مطابق اس کا شرعی حکم ہوتا ہے، اس کے مطابق درج ذیل تفصیل ہے:

(الف) انگور کا شیرہ کسی ایسے کے ہاتھ بیچا، جس کے متعلق علم ہے کہ وہ اس سے شراب بنائے گا، تو اگر بیچنے میں نیت یہ کی کہ میں تو اپنی تجارت کرتا ہوں مجھے پیسے سے غرض ہے، سامنے والے کے شراب بنانے والے فعل میں مدد کرنا میرا مقصود نہیں، تو یہ بیچنا ناجائز نہیں۔ لیکن اگر سامنے والے کے شراب بنانے والے عمل میں مدد کرنے کی نیت کی تو حرام ہے۔ (ب) یونہی انگوروں کا باغ بیچنے کا مسئلہ ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:" ولا بأس ببیع العصیر ممن یتخذہ خمرا في قول أبي حنیفۃ - رحمہ اللہ تعالی -۔۔۔۔وھو کما لو باع الکرم، وھو یعلم أن المشتري یتخذ العنب خمرا لا بأس بہ إذا کان قصدہ من البیع تحصیل الثمن، وإن کان قصدہ تحصیل الخمر یکرہ وغراسۃ الکرم علی ھذا إذا کان یغرس "ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق انگور کا شیرہ ایسے شخص کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں جو اس سے شراب بنائے گا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے انگور بیچے، جبکہ وہ جانتا ہے کہ خریدار انگور سے شراب بنائے گا، تو اس بیچنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ بیع سے اس کا قصد ثمن حاصل کرنا ہو اور اگر اس کا قصد شراب حاصل کرنا ہو، تو مکروہ ہے اور جب انگور کے پودے لگائے جاتے ہیں اس وقت انگور کے پودے کو بیچنے کا حکم بھی اسی کے مطابق ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الاشربۃ، ج05، ص417-416، کوئٹہ)

(ج) کسی سے تین دن سے زیادہ بول چال موقوف رکھی، اگر نیت مسلمان سے بلاوجہ شرعی قطع تعلقی ہے، تو حرام ہے اور اگر گناہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ شرعی کی بنا پر چھوڑے تو حرام نہیں۔ قرۃ عین الاخیار میں ہے:" ومنھا قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لا یحل لمؤمن أن

یھجر مؤمنا فوق ثلاث، فإذا مرت به ثلاث فلیلقه ولیسلم علیه، فإن رد علیه فقد اشترکا في الاجر، وإن لم یرد علیه فقد باء بالاثم وھذا محمول علی الھجر لاجل الدنیا، وأما لاجل الآخرة والمعصیة والتأدیب فجائز بل مستحب من غیر تقدیر اہ."ترجمہ: ان میں سے ایک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: تین دن سے زیادہ کسی مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑے رہنا جائز نہیں ہے، پس جب تین دن گزر جائیں، تو وہ اس سے ملاقات کرے اور اسے سلام کرے، اگر اس نے سلام کا جواب دیا تو دونوں اجر میں شریک ہوگئے اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو وہ گناہ کے ساتھ لوٹا اور یہ حدیث پاک دنیاوی معاملہ کی وجہ سے چھوڑنے پر محمول ہے، بہرحال اخروی معاملے گناہ اور تادیب کے پیشِ نظر غیر معینہ مدت تک چھوڑنا، جائز بلکہ مستحب ہے۔ انتہی۔(قرۃ عین الاخیار لتکملۃ رد المحتار، ج07، ص561-56، کوئٹہ)

(د) کسی عورت نے تین دن سے زیادہ زیب و زینت اختیار نہیں کی، اگر نیت یہ ہے کہ شوہر کے علاوہ جو میت ہوئی ہے اس کا سوگ منا رہی ہوں، تو حرام ہے اور اگر یہ نیت نہیں، تو حرام نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:"والإحداد للمرأة علی میت غیر زوجھا فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصدت ترک الزینة والتطیب لأجل المیت حرم علیھا، وإلا فلا."ترجمہ: شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ عورت کے سوگ منانے کا حکم قصد پر موقوف ہے، اگر اس نے زینت اور خوشبو کو میت کی وجہ سے ترک کرنے کا قصد کیا تو یہ حرام ہے، ورنہ نہیں۔ (الاشباہ والنظائر، ص31، مطبوعہ کراچی)

(ہ) کسی نے نمازی سے سوال کیا، اس نے اس کا جواب دینے کے لیے قرآن پاک کی آیت پڑھی، تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر جواب کی نیت نہیں تھی، تو باطل نہیں ہوئی۔ تبیین الحقائق میں ہے:"لو قیل له ما مالک فقال: الخیل والبغال والحمیر فإنه یفسد صلاته إن أراد به جوابا، وإلا فلا"ترجمہ: اگر نمازی سے کہا گیا: تمہارا مال کیا ہے؟ تو اس نے کہا: الخیل والبغال والحمیر(گھوڑے، خچر اور گدھے) اگر تو اس نے (آیت کے) ان الفاظ سے جواب کا ارادہ کیا، تو اس کی نماز ٹوٹ گئی، ورنہ نہیں۔

(تبیین الحقائق، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج01، ص156، ملتان)

(و) کسی کو چھینک آئی اور اس کے جواب میں نمازی نے "یرحمک اللہ" کہا، تو نماز فاسد ہوگئی۔(ز) نمازی کو خوشی کی بات بتائی گئی، اس نے اس کے جواب میں شکر ادا کرنے کے لیے "الحمدللہ" کہا، تو نماز فاسد ہوگئی۔(ح) اسی طرح بری خبر دی گئی۔ اس نے اس کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہا، یا (ط) کسی کی موت کی خبر دی گئی، اس نے اس کے جواب میں "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ" کہا، (ی) تعجب والی بات کے جواب میں "سبحان اللہ" کہا، یا کلمہ شریف پڑھا، تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہوگئی، لیکن اگر جواب مقصود نہیں تھا، تو فاسد نہیں ہوئی۔ مفسدات نماز شمار کرتے ہوئے درر و شرح غرر میں فرمایا:"(وتشمیت عاطس)---وھو أن یقول یرحمک اللہ وجه إفساده أنه من کلام الناس إذ یقع به التخاطب بینھم، ولو قال العاطس أو السامع الحمد للہ لا تفسد؛ لأنه لیس جوابا عرفا، ولو قال العاطس لنفسه یرحمک اللہ لا تفسد؛ لأنه بمنزلة قوله یرحمني اللہ وبه لا تفسد کذا في الظھیریة. (وجواب خبر سوء بالاسترجاع) بأن یقول اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ (وسار بالحمدلة) بأن یقول الحمد للہ (وعجب بالسبحلة) بأن یقول سبحان اللہ (والھیللة) بأن یقول لا إله إلا اللہ ذکر الجواب؛ لأنه لو لم یرد بالتحمید ونحوه الجواب بل إعلامه بأنه في الصلاة جازت صلاته"ترجمہ: چھینکنے والے کو جواب دینا یعنی یہ کہنا: یرحمک اللہ (مفسد نماز ہے۔) اس کے نماز توڑنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے عام کلام میں سے ہے، کیونکہ اس کے ذریعے

آپس میں ایک دوسرے سے خطاب ہوتا ہے اور اگر چھینکنے والے یا سننے والے نے "الحمد للہ" کہا تو نماز نہیں ٹوٹی کیونکہ یہ عرفاً جواب نہیں ہے اور اگر چھینکنے والے نے اپنے لیے "یرحمک اللہ" کہا تو اس کی نماز نہیں ٹوٹی، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے "یرحمنی اللہ" (اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے) کہا ہو اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی، ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ بری خبر کے جواب میں "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" کہنا، اچھی خبر پر "الحمد للہ"، تعجب والی خبر پر "سبحان اللہ" اور "لا الہ الا اللہ" بطور جواب کہنا (نماز کو توڑنے والا ہے) کیونکہ اگر اس نے "الحمد للہ وغیرہ" سے جواب کا ارادہ نہ کیا، بلکہ یہ بتانے کا قصد کیا کہ وہ نماز میں ہے تو اس کی نماز درست ہے۔ (درر الحکام مع غرر الاحکام، مفسدات الصلاۃ، ج01، ص102، کراچی)

(ک) تاجر اپنا مال تجارت کھولتے وقت ذکر کر رہا ہے اور نیت اپنے مال کی خوبی کو ظاہر کرنا ہے، تو وہ گنہگار ہے۔ (ل) چوکیدار اپنی ڈیوٹی کے دوران بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کوئی ذکر کرتا ہے، اگر یہ نیت ہے کہ اس سے لوگوں کو پتا چلے کہ میں جاگ رہا ہوں، تو وہ گنہگار ہے۔

درمختار میں جس موقع پر درود شریف پڑھنا حرام ہے، اس کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "وحراما عند فتح التاجر متاعه ونحوه" ترجمہ: تاجر کا اپنا سامان وغیرہ کھولتے وقت (درود پڑھنا) حرام ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "في كراهية الفتاوى الهندية إذا فتح التاجر الثوب فسبح الله تعالى أو صلى على النبي - صلى الله عليه وسلم - يريد به إعلام المشتري جودة ثوبه فذلك مكروه وكذا الحارس لأن يأخذ لذلك ثمنا." ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے: جب تاجر نے کپڑا کھولتے وقت سبحان اللہ کہا یا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر درود پڑھا اور اس سے اس کا مقصد خریدار پر اپنے کپڑے کی عمدگی کو ظاہر کرنا ہے، تو یہ مکروہ ہے اور اسی طرح چوکیدار کا حکم ہے، کیونکہ وہ اس کی وجہ سے ثمن لے گا۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج02، ص281، کوئٹہ)

(م) مجلسِ فسق میں تسبیح کرتا ہے، اس نیت سے کہ لوگ گناہ میں مشغول ہیں، تو میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہو جاتا ہوں، تو ثواب ملے گا اور اگر فاسق کے فسق پر اطلاع دینے کی نیت سے تسبیح کرتا ہے، تو گنہگار ہے۔ المحیط البرھانی میں ہے: "رجل ذكر الله تعالى في مجلس الفسق، فإن كان من نيته أن الفساق يشتغلون بالفسق، وأنا أشتغل بالتسبيح، فهو أحسن وأفضل؛ كمن سبح الله تعالى في السوق، فكان من نيته أن الناس يشتغلون بأمر الدنيا، وأنا أسبح الله تعالى في مثل هذا الموضع؛ كان أفضل من أن يسبح الله تعالى وحده في السوق۔۔۔۔۔ أما إذا سبح على أنه يعمل عمل الفسق يأثم" ترجمہ: گناہ کی مجلس میں کسی نے اللہ کا ذکر کیا، تو اگر اس کی نیت یہ ہے کہ فاسق لوگ گناہ میں مشغول ہیں اور میں تسبیح میں مشغول ہو جاتا ہوں، تو یہ اچھا اور افضل ہے۔ جیسا کہ وہ شخص جو بازار میں اس نیت سے تسبیح پڑھتا ہے کہ لوگ دنیاوی معاملات میں مشغول ہیں اور میں اس طرح کی جگہ میں بھی اللہ کی تسبیح کرتا ہوں، تو یہ عمل اس کے بازار میں اکیلے ہونے کے وقت تسبیح پڑھنے سے افضل ہے، بہرحال جب عمل فسق پر مطلع کرنے کے لیے تسبیح پڑھے تو یہ گنہگار ہوگا۔

(المحیط البرھانی، کتاب الصلاۃ، ج06، ص36، کوئٹہ)

(ن) بادشاہ کو اگر ملاقات کی نیت سے سجدہ کرے تو حرام ہے، کفر نہیں اور اگر عبادت کی نیت سے سجدہ کرے، تو کفر ہے۔ مجمع الانھر میں ہے: "من سجد له على وجه التحية لا يكفر ولكن يصير آثما مرتكبا للكبيرة.۔۔۔۔۔ ولو سجد عند السلطان على وجه التحية لا

یصیر کافرا۔ "ترجمہ: جس نے اسے تحیت (ملاقات) کے طور پر سجدہ کیا، تو وہ کافر نہ ہوا، لیکن وہ گنہگار، کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اگر بادشاہ کے سامنے تحیت کے طور پر سجدہ کیا، تو وہ کافر نہ ہو گا۔ (مجمع الانہر، ج04، ص205، کوئٹہ)

غمز عیون البصائر میں ہے:" قال العيني في مختصر الفتاوى الظهيرية---قال أكثرهم هو على وجوه إن أراد به العبادة يكفر، وإن أراد به التحية لا يكفر، ويحرم عليه ذلك "ترجمہ: علامہ عینی نے مختصر فتاوی ظہیریہ میں فرمایا کہ کثر علمانے فرمایا: اس کی چند صورتیں ہیں۔ اگر اس نے اس سے عبادت کا ارادہ کیا، تو وہ کافر ہو گیا اور اگر اس سے تحیت کا ارادہ کیا، تو کافر نہ ہوا اور یہ حرام ہے۔

(غمز عیون البصائر، ج01، ص101-100، بیروت)

(س) بھوک سے کچھ زیادہ کھانا اتنا کہ جس کا معدے میں بگڑ جانا مظنون (گمان) نہ ہو، مکروہ تحریمی و ممنوع ہے۔ لیکن اگر اس سے مقصود کل کے روزے پر قوت حاصل کرنا ہو، یا مہمان کا ساتھ دینا ہو کہ اگر اپنا ہاتھ روک لے گا، تو مہمان شرم سے نہیں کھا سکے گا، بھوکا رہ جائے گا، تو اب اتنا زیادہ کھالینا کہ جس کا معدے میں بگڑ جانا مظنون نہ ہو مکروہ و ممنوع نہیں۔ ردالمحتار میں کھانے کے درجات بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ومكروه: وهو ما زاد على الشبع قليلاً ولم يتضرر به "ترجمہ: کھانے کی ایک صورت مکروہ ہے اس سے مراد سیر ہونے سے کچھ زیادہ کھانا ہے جو کہ اسے نقصان نہ پہنچائے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص560، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے: "مکروہ تحریمی: جیسے محض تکاثر و تفاخر کے لیے جمع اموال،-----یوہیں پیٹ سے زیادہ چند لقمے کھانا جن کا معدے میں بگڑ جانا مظنون نہ ہو ----مگر جبکہ روزے کی قوّت مقصود ہو، یا مہمان کا ساتھ دینا۔"

(فتاوی رضویہ، ج23، ص614-615، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(ع) کفار نے مسلمانوں اور ان کے بچوں کو ڈھال بنالیا، اب اگر تیر کفار پر چلانا مقصود ہے، تو ممنوع نہیں، ہاں مسلمان کے قتل کا قصد کرنا، جائز نہیں۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:" إذا تترس الكفار بأسارى المسلمين فإنه يباح الرمي إليهم بشرط أن يكون قصدهم الرمي إلى الكفار فيجعل كأنهم رموا إلى الكفار "ترجمہ: جب کفار نے مسلمان قیدیوں کو ڈھال بنالیا تو ان پر اس شرط کے ساتھ تیر چلانا مباح ہے کہ کافروں کو مارنے کا قصد کریں، تو اس کو ایسے ہی قرار دیا جائے گا گویا کہ انہوں نے کافروں کو تیر مارے۔

(العنایۃ علی ھامش فتح القدیر، ج01، ص393، کوئٹہ)

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:" (فإن تترسوا بصبيان المسلمين أو بالأسارى لم يكفوا عن رميهم ويقصدون بالرمي الكفار) لأن المسلم لا يجوز اعتماد قتله "ترجمہ: اگر کافروں نے مسلمان بچوں یا قیدیوں کو ڈھال بنالیا تو مسلمان مجاہدین کافروں پر تیر پھینکنے سے باز نہ آئیں اور تیر پھینکنے سے کافروں کو مارنے کا قصد کریں، کیونکہ مسلمان کو قتل کرنے کا قصد کرنا، جائز نہیں ہے۔

(الجوھرۃ النیرۃ، ج02، ص573، کراچی)

(ف) لقطہ اگر اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اعلان کروں گا، تو مستحب ہے، لیکن اگر خود لینے کی نیت سے اٹھاتا ہے، تو غصب و حرام ہے۔ درمختار میں ہے:" (ندب رفعها لصاحبها) إن أمن على نفسه تعريفها وإلا فالترك أولى. وفي البدائع وإن أخذها لنفسه حرم

لأنھا کالغصب "ترجمہ: مالک کو دینے کی نیت سے اٹھالینا مستحب ہے، جبکہ اس کا اعلان کرنے کے حوالے سے خود پر اطمینان ہو ورنہ نہ اٹھانا اولیٰ ہے اور بدائع میں ہے اگر اس نے اپنے لیے اٹھایا تو حرام ہے، کیونکہ یہ غصب کی طرح ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب اللقطہ، ج06، ص422، کوئٹہ)

نوٹ

نیت کے متعلق تفصیلی مباحث

اوپر جو دونوں قواعد بیان ہوئے ان کا تعلق نیت سے ہے۔لہذا ہم نیت کے متعلق کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں، جو کہ درج ذیل امور پر مشتمل ہو گی:

(1)نیت کی تعریف، (2)نیت کی مشروعیت کا مقصد، (3)نیت کی شرائط، (4)نیت کا محل، (5)نیت کے وقت کا بیان، (6)عبادت کے ہر رکن اور جز میں نیت کا جاری رہنا شرط نہیں، (7)نیت میں اخلاص، (8)ایک ہی نیت سے دو عبادتیں جمع کرنا، (9) اور منوی کی تعیین و عدم تعیین۔

(1)نیت کی تعریف

نیت کی دو طرح سے تعریف بیان کی جاتی ہے: (الف) ایک لغت کے اعتبار سے اور وہ یہ ہے: "دل سے کسی چیز کا پختہ ارادہ کرنا" جسے قصد قلبی بھی کہا جاتا ہے۔اس کی تعریف میں علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ کون سا عمل کرتا ہے، تو فورا بلا تامل بتادے۔

(ب) اور دوسری شرع کے اعتبار سے اور وہ یہ ہے: "اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اس کے حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے فعل کی طرف متوجہ ہونے والا ارادہ۔"

(الف) لغوی تعریف

غمز عیون البصائر میں ہے: "لغۃ عزم القلب علی الشيء "ترجمہ: نیت کا لغوی معنی ہے: کسی چیز پر دل کا پختہ ارادہ کرنا۔

(غمز عیون البصائر، ج01، ص51، بیروت)

رد المحتار میں ہے: " النیۃ: لغۃ العزم، والعزم ھو الإرادۃ الجازمۃ القاطعۃ۔۔۔۔وبہ علم أن النیۃ لیست مطلق الإرادۃ، بل ھي الإرادۃ الجازمۃ "ترجمہ: نیت لغوی اعتبار سے عزم کو کہتے ہیں اور عزم پختہ ارادے کو کہتے ہیں، اسی سے معلوم ہوا کہ مطلق ارادہ نیت نہیں ہے، بلکہ نیت پختہ ارادے کا نام ہے۔ (رد المحتار مع الدر المختار، ج02، ص112، کوئٹہ)

(ب) شرعی تعریف

الاشباہ و النظائر میں ہے: "الارادۃ المتوجھۃ نحو الفعل ابتغاء لوجہ اللہ تعالی وامتثالا لحکمہ "شرعی اعتبار سے نیت اس ارادے کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے لیے کسی فعل کی طرف متوجہ ہو۔ (الاشباہ والنظائر، ص34، مطبوعہ کراچی)

(ج) محض حسن نیت پر ثواب

ثواب کا تعلق حسن نیت سے ہے۔ اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جہاں حسن نیت ہو گی، خواہ عمل درست نہ ہو رہا ہو، وہاں ثواب ملے گا اور جہاں حسن نیت نہیں ہو گی، خواہ عمل فقہی اعتبار سے درست ہو رہا ہو، وہاں ثواب نہیں ملے گا۔

مثلا: ناپاک پانی سے وضو کر کے رضائے الٰہی کے لیے نماز ادا کی اور اسے پانی کے ناپاک ہونے کا علم نہیں تھا، تو نماز درست نہ ہوئی، لیکن حسن نیت کے سبب ثواب پائے گا۔

اسی طرح وضو کیا، لیکن ثواب کی نیت نہ تھی یا نماز پڑھی اور ریا کی نیت تھی، تو وضو و نماز درست ہو گئے، لیکن ثواب نہ پائے گا۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے: "قال في مختارات النوازل: وأما الثواب فيتعلق بصحة عزيمته وهو الإخلاص، فإن من توضأ بماء نجس ولم يعلم به حتى صلى لم تجز صلاته في الحكم لفقد شرطه، ولكن يستحق الثواب لصحة عزيمته وعدم تقصيره اهـ. فعلم أنه لا تلازم بين الثواب والصحة فقد يوجد الثواب بدون الصحة كما ذكر، وبالعكس كما في الوضوء بلا نية فإنه صحيح، ولا ثواب فيه، وكذا الوصلى مرائيا" ترجمہ: مختارات نوازل میں فرمایا: ثواب کا حصول عزم کے درست ہونے پر موقوف ہے اور عزم کا درست ہونا ہی اخلاص ہے۔ پس اگر لاعلمی میں ناپاک پانی سے وضو کر کے نماز پڑھ لی، تو حکما اس کی نماز جائز نہیں، کیونکہ نماز کی ایک شرط نہیں پائی گئی، لیکن وہ اپنے عزم کے درست ہونے اور کوتاہی نہ کرنے کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہے۔ انتہی۔ پس معلوم ہوا کہ ثواب اور درستی کے درمیان ملازمت نہیں ہے، لہٰذا کبھی ثواب درستی کے بغیر پایا جاتا ہے۔ جیسے ابھی ذکر کیا گیا اور کبھی اس کے الٹ ہوتا ہے، جیسے بغیر نیت کے وضو کیا تو وضو درست ہے، لیکن اس پر ثواب نہیں ہے، اسی طرح اگر ریاکاری کرتے ہوئے نماز ادا کی۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص701، کوئٹہ)

(د) محض بُری نیت سے گناہ

یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح حسنِ نیت سے ثواب مل جاتا ہے، خواہ عمل کا شرعا وجود نہ پایا جائے، اسی طرح بُری نیت سے گنہگار ہو گا، اگرچہ وہ عمل اپنی ذات میں گناہ نہ تھا۔ مثلا:

(الف) اپنی بیوی سے وطی کرے اور گمان یہ کرے کہ کسی اجنبیہ سے وطی کر رہا ہوں، تو ایسا کرنے والا گنہگار ہے۔

(ب) پانی کو شراب سمجھ کر پیے تو گنہگار ہو گا۔ (ج) وارث اپنے مورث کے قاتل کو معصوم الدم سمجھ کر قتل کرے، تو گنہگار ہو گا۔ (د) کپڑوں کو اجنبیہ عورت سمجھ کر قصدا ان کی طرف نظر کرے تو گنہگار ہو گا۔ (ہ) غیر سود کو سود سمجھ کر لے، تو گنہگار ہو گا۔

ان تمام صورتوں میں جو کام ہیں، وہ فی نفسہ مباح و درست ہیں، لیکن بُری نیت کے باعث گنہگار ہو رہا ہے۔

ردالمحتار میں بیوی کو اجنبیہ سمجھ کر وطی کرنے کے حوالے سے ہے: "وقال ابن الحاج المالكي: إنه يحرم لأنه نوع من الزنا كما قال علماؤنا فيمن أخذ كوزا يشرب منه، فتصور بين عينيه أنه خمر فشربه أن ذلك الماء يصير حراما عليه اهـ۔۔۔ ولم أر من تعرض للمسألة عندنا وإنما قال في الدرر: إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفسقة حرم اهـ والأقرب لقواعد مذهبنا عدم الحل، لأن تصور تلك الأجنبية بين يديه يطؤها فيه تصوير مباشرة المعصية على هيئتها، فهو نظير مسألة

الشرب ثم رأیت صاحب تبیین المحارم من علمائنا نقل عبارۃ ابن الحاج المالکي، وأقرھا وفي آخرھا حدیث عنه - صلی اللہ علیه وسلم -«إذا شرب العبد الماء علی شبه المسکر کان ذلک علیه حراما»اھ۔"ترجمہ: ابن حاج مالکی نے کہا: بے شک یہ حرام ہے، کیونکہ یہ زنا کی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ ہمارے علما نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے پانی پینے کا برتن پکڑا، پھر اپنے سامنے شراب تصور کر کے اسے پیا تو یہ پانی اس کے لیے حرام ہو جائے گا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے ہمارے مذہب پر مسئلہ بیان کیا ہو، درر میں صرف اتنا بیان کیا کہ: جب پانی وغیرہ مباح چیزوں کو فاسقوں کی ہیئت پر کھیل کود اور عیش وطرب کے ساتھ پیے، تو حرام ہے اور ہمارے مذہب کے قواعد کے زیادہ قریب حلال نہ ہونا ہے، کیونکہ وطی کرتے ہوئے سامنے اس اجنبیہ کو تصور کرنے میں گناہ کو اس کی ہیئت پر کرنے کا تصور کرنا ہے، لہٰذا یہ پینے والے مسئلہ کی نظیر ہے، پھر میں نے اپنے علما میں سے صاحب تبیین المحارم کو دیکھا کہ انہوں نے ابن حاج مالکی کی عبارت نقل کر کے اسے برقرار رکھا اور اس کے آخر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہے: جب کوئی شخص پانی کو نشے والے کے انداز پر پیے، تو یہ اس پر حرام ہے۔ (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی النظر والمس، ج09، ص614، کوئٹہ)

شرح المجلۃ میں ہے "ویحسب النیة یاثم فی وطء زوجته علی ظن انها اجنبیة۔وفی شرب الماء علی ظن انه خمر وفی قتل قاتل مورثه یظن انه معصوم الدم۔فیفسق لقصدہ الزنا والقتل ولا یحد۔"ترجمہ: اور نیت کے مطابق اپنی بیوی کو اجنبیہ سمجھ کر وطی کرنے کی صورت میں گنہگار ہو گا اور پانی کو شراب سمجھ کر پینے کی صورت میں گنہگار ہو گا اور اپنے مورث کے قاتل کو محفوظ الدم سمجھ کر قتل کرنے کی صورت میں گنہگار ہو گا، پس زنا اور قتل کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

(شرح المجلۃ، ج01، ص15، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے "نعم من اخذ منهم الفضل ونوی اخذ الربا فهو الذی قصد المعصية ، وانما الاعمال بالنيات ولكل امرئ مانوی، كما نصوا عليه فی من تعمد النظر من بعيد الی ثوب موضوع فی الطاق ظنا منه انها امرأة اجنبية حيث یاثم بماقصد وان كان النظر الی الثوب مباحا فی نفسه"ترجمہ: ہاں جس نے حربیوں سے زیادہ مال بنیت سود لیا، تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، جیسا کہ فقہائے کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے، جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصداً اس کی طرف نظر کی، کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا، اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہ مباح ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج17، ص370، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی رضویہ میں ہے: "سود حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہو سکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا" (فتاوی رضویہ، ج17، ص309، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آگئی کہ عمل کا درست ہونا اور چیز ہے اور اس پر ثواب کا ملنا یہ اور چیز ہے۔ اسی طرح کام کا فی نفسہ مباح ہونا اور چیز ہے اور اس پر گنہگار ہونا اور چیز ہے اور ان دونوں میں فرق نیت سے ہو گا۔

(ہ) عبادت درست ہونے کے لیے کس قسم کی نیت چاہیے

نیز اس سے یہ بھی پتا چلا کہ عبادت کے درست ہونے کے لیے جو نیت شرط ہے، جیسے سوائے اسلام کے تمام عبادات مقصودہ میں، وہاں نیت سے مراد کچھ اور ہے اور ثواب کے لیے جو نیت شرط ہے، اس نیت سے مراد کچھ اور ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبادت کے درست ہونے کے لیے فقط اس فعل کا دل سے قصد ہونا کافی ہے کہ میں یہ کام کر رہا ہوں یا کرنے لگا ہوں۔ اس کی حد یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر نیت کے وقت اس سے سوال کیا جائے کہ کس عمل کی نیت کرتا ہے؟ تو وہ فوراً بلا تامل بتادے۔

درمختار میں ہے: "(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ـــ (وهو) أي عمل القلب (أن يعلم) عند الإرادة (بداهة) بلا تأمل (أي صلاة يصلي)" ترجمہ: اس میں معتبر دل کا عمل ہے جو ارادہ کو لازم ہے اور دل کا عمل یہ ہے کہ وہ ارادہ کے وقت بلا تامل بداہۃً جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: " قال الزيلعي: وأدناه أن يصير بحيث لو سئل عنها أمكنه أن يجيب من غير فكر. اهـ" ترجمہ: زیلعی نے فرمایا: اس کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ اگر اس سے نماز کے متعلق پوچھا جائے، تو وہ سوچے بغیر جواب دینے پر قادر ہو۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلوۃ، بحث: النیۃ، ج02، ص112، 113، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے: " والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا في الخلاصة، ومحيط السرخسي. "ترجمہ: نیت روزہ رکھنے کو دل کے ساتھ پہچاننے کا نام ہے، خلاصہ اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج01، ص195، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "وقال العلامة العيني في شرح البخاري: الإخلاص في الطاعة ترك الرياء ومعدنه القلب اهـ. وهذه النية لتحصيل الثواب لا لصحة العمل لأن الصحة تتعلق بالشرائط والأركان والنية التي هي شرط لصحة الصلاة مثلا: أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي. "ترجمہ: علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا: طاعت میں اخلاص، ریا کو ترک کرنا ہے اور اس کا مقام دل ہے۔ انتہی اور یہ نیت ثواب حاصل کرنے کے لیے ہے، عمل کے درست ہونے کے لیے نہیں ہے، کیونکہ صحت کا تعلق شرائط اور ارکان سے ہے اور مثلاً نماز کے درست ہونے کے لیے جو نیت شرط ہے، وہ یہ ہے کہ وہ دل سے جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص701، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے: "نیت قصدِ قلبی کا نام ہے تلفظ اصلاً ضروری نہیں نہایت کار مستحب ہے۔۔۔۔ قصدِ قلبی کی علمائے کرام نے یہ تحدید فرمائی کہ نیت کرتے وقت پوچھا جائے کہ کون سی نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو فوراً بے تامل بتادے کماذکرہ الامام الزیلعی فی التبیین وغیرہ فی غیرہ (جیسا کہ امام زیلعی نے اسے تبیین الحقائق میں اور دیگر علما نے اپنی کتب میں ذکر کیا۔ت)"

(فتاوی رضویہ، ج06، ص47، رضا فاونڈیشن، لاہور)

(و) عبادت کی درستی کے لیے پکا ارادہ کافی ہونے کا فائدہ

عبادت درست ہونے کے لیے فقط دل میں اس کا پکا ارادہ کافی ہے، اسی پر یہ تفریع بھی بیان کی جاتی ہے کہ میت کو غسل دینا زندوں پر فرض کفایہ ہے، تو اگر وہ غسل کے قصد سے اس پر پانی گزاریں، تو زندوں کا فرض ادا ہو جائے گا، لیکن ثواب کے لیے رضائے الٰہی کی نیت

ہوناضروری ہے۔ فتاوی رضویہ میں ہے: " اگر میت دریا میں ملے توجب تک احیاء اپنے قصد سے اسے پانی میں جنبش نہ دیں، اُن پر سے فرض نہ اُترے گا، مگر میت کے سب بدن پر پانی گزر گیا، تواُسے طہارت حاصل ہوگئی، یونہی بے غسل دیے اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور خاص غسل میت کی نیت تو احیاء پر بھی ضرور نہیں، اپنا قصدی فعل کافی ہے، یہی اس مسئلہ میں توفیق و تحقیق ہے-----"وغسل المیت له وجهان وجه الی الشرطیة وهو عدم صحة الصلاة علیه بدون الطهارة وهذا مایکفی فیه وجوده بلا ایجاده کطهارة الحی ووجه الی الفرضیة علینا ولا یتأتی الا بفعل توقعه قصدا ولولم تقصد العبادة المامور بها وهذا معنی قول ابی یوسف لانا امرنا بالغسل وقول المحیط ان الخطاب یتوجه الی بنی اٰدم وبهذا تتفق الکلمات ویظهر مافی کلام الغنیة وللّٰه الحمد۔"ترجمہ: غسل میت کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو شرطیہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ اس پر نماز بلاطہارت جائز نہیں اور اس صورت میں غسل کا وجود کافی ہے، خواہ اس کی طرف سے ایجاد نہ ہو، جیسے زندہ انسان کی پاکی اور ایک وجہ ہم پر فرضیت کی ہے، اور یہ اُسی فعل سے ادا ہوسکتی ہے جو قصداً کیا جائے، اگرچہ مامور بہاعبادت کا قصد نہ کیا جائے اور یہی مفہوم ہے حضرت امام ابو یوسف کے قول "اس لیے کہ ہم کو غسل کا حکم دیا گیا ہے"کا اور محیط کے اس قول "کہ خطاب بنو آدم کی طرف متوجہ ہے"کا بھی یہی مفہوم ہے، اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق ہوجائے گی اور جو غنیہ میں ہے وہ ظاہر ہوجائے گا، وللہ الحمد۔"

(فتاوی رضویہ، ج02، ص115-117، رضافاونڈیشن، لاہور)

(ز)اخلاص کا مطلب

نیز اوپر یہ بھی گزرا کہ ثواب کے حصول کے لیے اخلاص ہوناضروری ہے اوراخلاص کا مطلب ہے کہ ریاکاری کی نیت نہ ہو۔ پس یہاں ریاکاری کے متعلق کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ ریاکاری بعض صورتوں میں سرے سے ہی ثواب ختم کردیتی ہے اور بعض صورتوں میں ثواب کا کچھ حصہ ضائع کرتی ہے۔ چنانچہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ:

(ح)ریاکاری کی دو قسمیں ہیں

(1)ایک وہ جو اصل عمل میں پائی جائے۔ مثلا:لوگ نہ دیکھتے تو نماز ہی نہ پڑھتا، یہاں ریاکاری اصل عمل میں ہے، تواس سے عمل کا سرے سے کوئی ثواب ہی نہیں ہوگا۔

(2)اورایک ریاکاری وہ ہے جو عمل کے وصف میں ہو۔ مثلا:لوگ نہ ہوتے تب بھی پڑھتا، ہاں لوگوں کی وجہ سے اس میں خوبی اور حسن بڑھاتا ہے، تواس صورت میں اصل عمل کا ثواب تو ملے گا، لیکن عمل کے وصف یعنی خوبی اور حسن کا ثواب نہیں ملے گا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

"الریاء تارة یکون في أصل العبادة، وتارة یکون في وصفها والأول هو الریاء الکامل المحیط للثواب من أصله کما إذا صلی لأجل الناس، ولولا هم ما صلی، وأما لو عرض له ذلک في أثنائها فهو لغو، لأنه لم یصل لأجلهم بل صلاته کانت خالصة لله تعالی، والجزء الذي عرض له فیه الریاء بعض تلک الصلاة الخالصة. نعم إن زاد في تحسینها بعد ذلک رجع إلی القسم الثاني، فیسقط ثواب التحسین "ترجمہ: ریا کبھی اصل عبادت میں ہوتی ہے اور کبھی اس کے وصف میں ہوتی ہے، پہلی کامل ریا ہے جو مکمل طور پر ثواب کو گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ جب کسی نے لوگوں کی وجہ سے نماز پڑھی، اگر یہ نہ ہوتے تو وہ نماز نہ پڑھتا اور بہر حال اگر دوران نماز ریا اس

کو لاحق ہو تو یہ لغو ہے، کیونکہ اس نے لوگوں کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کی نماز خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ حصہ جس میں ریالاحق ہوئی وہ بھی اس خالص نماز کا ہی کچھ حصہ ہے۔ہاں اگر اس نے نماز کو اچھے طریقے سے ادا کرنے میں اضافہ کیا، تو یہ دوسری قسم کی ریا ہے۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص701-702، کوئٹہ)

(ط) عمل ترک کرنے میں ریاکاری

ریاکاری جس طرح عمل بجالانے میں ہوتی ہے، اسی طرح عمل کے ترک کرنے میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی عمل کو اس لیے ترک کیا کہ لوگ دیکھ رہے ہیں، تو یہ بھی ریاکاری ہے۔اربعین نوویہ میں ہے:"وکما أنَّ الریاء في العمل یکون في ترک العمل. قال الفضیل بن عیاض: ترک العمل من أجل الناس ریاء والعمل من أجل الناس شرک، والإخلاص أن یعافیک اللہ منھما. ومعنی کلامہ رحمہ اللہ تعالی أنَّ من عزم علی عبادۃ وترکھا مخافۃ أن یراھا الناس، فھو مُراءٍ لأنَّہ ترک العمل لأجل الناس أمّا لو ترکھا لیصلّیھا في الخلوۃ فھذا مستحبّ إلاّ أن تکون فریضۃ، أو زکاۃ واجبۃ، أو یکون عالِماً یقتدی بہ، فالجھر بالعبادۃ في ذلک أفضل "ترجمہ: اور ریاکاری جیسے عمل میں ہوتی ہے ویسے ہی عمل ترک کرنے میں ہوتی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا: لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں سے عافیت میں رکھے۔ان کے کلام کا معنی یہ ہے کہ جس نے عبادت کا ارادہ کیا، لیکن لوگوں کے دیکھنے کے خوف سے اسے ترک کر دیا، تو وہ ریاکار ہے، کیونکہ اس نے لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کر دیا، اگر اس نے اس لیے ترک کیا کہ وہ تنہائی میں نماز پڑھے گا تو یہ مستحب ہے، مگر یہ کہ وہ فرض نماز ہو یا فرض زکاۃ ہو یا وہ ایسا عالم ہو جس کی اقتدا کی جاتی ہے، تو ان صورتوں میں علانیہ عبادت کرنا افضل ہے۔(اربعین نوویہ، الحدیث الاول، ص19، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(2) نیت کی مشروعیت کا مقصد

نیت کی مشروعیت سے مقصود عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا اور عبادات کا آپس میں امتیاز کرنا ہے۔لہذا

(۱) ایک مباح کام عادۃً جیسے کیا جاتا ہے، اسی روٹین کے مطابق کیا، ثواب کی کوئی نیت نہیں، تو وہ عبادت نہیں ہوگا اور اس پر ثواب بھی نہیں ملے گا اور اگر ثواب کی نیت کرے گا، تو اب وہ روٹین کا کام نہیں رہے گا، بلکہ عبادت بن جائے گا، لہذا ثواب ملے گا۔

(۲) اسی طرح عمل ایک ہی ہے، لیکن اس کی صفات مختلف ہیں، مثلاً: نماز ہے کہ وہ فرض بھی ہوتی ہے، نفل بھی ہوتی ہے، اب فرض اور نفل میں فرق نیت سے ہی ہوتا ہے۔

اس کے مطابق تفصیل یہ ہے:

(۱): پہلی صورت کہ جس میں عادت سے عبادت ممتاز ہوتی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

(الف) کھانے پینے سے پرہیز کرنا اگر صرف اس وجہ سے ہے کہ حاجت نہیں، تو کوئی ثواب نہیں، لیکن (ب) اگر روزے کے طور پر ہے، یعنی اللہ پاک کی رضا کی نیت سے مخصوص وقت سے مخصوص وقت تک کھانے پینے وغیرہ روزے کے منافی چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، تو ثواب کا کام ہے۔(ج) مسجد میں بیٹھنا اگر آرام حاصل کرنے کے لیے ہے، تو کوئی ثواب نہیں اور اگر اعتکاف کی نیت ہے تو ثواب ہے۔(د) خود کھانے کے لیے جانور ذبح کیا، تو ایک مباح کام ہے اور اس میں کوئی ثواب کی نیت نہیں، تو ثواب بھی نہیں۔ لیکن اگر اللہ پاک کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے

جانور ذبح کیا، جیسے قربانی کے طور پر ذبح کیا، تو عبادت ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا یا فقراء کو کھلانے کی نیت سے ذبح کیا، تو مستحب کام ہے اور ثواب بھی ملے گا۔(ہ) کسی کو رقم اگر بغیر کسی نیت کے دی یا کسی ایسی نیت سے دی جس پر ثواب نہ ملتا ہو، مثلا یہ کہ اس کا مال بڑھ جائے، تو کوئی ثواب نہیں، لیکن اگر اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے دی تو ثواب ہے۔(و) بغیر ثواب کی نیت کیے پوری بھوک بھر کھانا کھانا مباح ہے اور عبادت پر قوت کی نیت سے کھایا جائے، تو ثواب ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "قالوا المقصود منها تمييز العبادات من العادات وتمييز بعض العبادات عن بعض كما في النهاية وفتح القدير، كالإمساك عن المفطرات قد يكون حمية أو تداويا أو لعدم الحاجة إليه والجلوس في المسجد قد يكون للاستراحة وقد يكون قربة ودفع المال قد يكون هبة أو لغرض دنيوي وقد يكون قربة، زكاة أو صدقة والذبح قد يكون لأكل فيكون مباحا أو مندوبا أو للأضحية فيكون عبادة" ترجمہ: علما نے فرمایا: اس کا مقصد عبادات کو عادات سے اور بعض عبادات کو دوسری بعض عبادات سے ممتاز وجدا کرنا ہے، جیسا کہ نہایہ اور فتح القدیر میں ہے۔ جیسے روزہ کو توڑنے والے امور سے باز رہنا کبھی بخار کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی دوائی کے طور پر ہوتا ہے یا کبھی ان کی ضرورت نہ ہونے کی بنا پر ہوتا ہے اور مسجد میں بیٹھنا کبھی آرام حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی عبادت کے لیے ہوتا ہے اور مال دینا کبھی ہبہ کے طور پر ہوتا ہے یا کبھی دنیوی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی بطور عبادت زکاۃ یا صدقہ کے طور پر ہوتا ہے اور ذبح کرنا کبھی کھانے کے لیے ہوتا ہے، تو یہ مباح یا مستحب ہوتا ہے یا کبھی قربانی کے لیے ہوتا ہے، تو یہ عبادت ہوتا ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص34، مطبوعہ کراچی)

اس کے تحت غمز العیون میں ہے: "قوله: ودفع المال: مبتدأ. أقول: لا يخفى ما في هذه العبارة من الجزازة وحق العبارة أن يقال: ودفع المال قد يكون لغرض دنيوي هبة أو بيعا، وقد يكون لغرض أخروي زكاة أو صدقة. قوله: أو مندوبا. كالذبح بنية التصدق على الفقراء." ترجمہ: ان کا قول: "دفع المال" مبتدا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس عبارت میں جو کمی ہے، وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ عبارت کا حق یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے: اور مال دینا کبھی دنیوی غرض سے بطور ہبہ یا بطور بیع ہوتا ہے اور کبھی اخروی غرض سے بطور زکاۃ یا صدقہ ہوتا ہے۔ ان کا قول: یا مستحب ہوتا ہے، جیسے فقراء پر صدقہ کرنے کی نیت سے ذبح کرنا۔ (غمز عیون البصائر، ص110، نشاط العربی، بیروت)

در مختار میں ہے "ومباح الى الشبع" ترجمہ: پوری بھوک بھر کھانا کھانا مباح ہے۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے "وينوي به ان يتقوى به على العبادة فيكون مطيعا" ترجمہ: اور کھانا کھانے سے یہ نیت کرے کہ اس کے ذریعے عبادت پر قوت حاصل کرے گا، تو نیکی کرنے والا شمار ہوگا۔ (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص560، کوئٹہ)

(۲) دوسری صورت کہ جس میں عبادات کا آپس میں امتیاز ہوتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے

نیت سے عبادات کے درمیان آپس میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ مثلا نماز نفل بھی ہوتی ہے، فرض بھی اور واجب بھی، تو نماز پڑھنے والا کون سی نماز پڑھ رہا ہے، اس کی تعیین نیت سے ہی ہوگی۔ یہی معاملہ روزے اور طواف وغیرہ کا ہے۔

نیت کی مشروعیت کا ایک مقصد عبادات میں امتیاز تھا، اس کا فائدہ

(الف) جو عبادات بذات خود ممتاز ہیں، ان کا غیر کے ساتھ التباس نہیں ہوتا، تو ان میں نیت کی حاجت نہیں۔ جیسے ایمان، معرفت، خوف، رجا، نیت، قراءت قرآن، اذکار اور اذان وغیرہ۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "ثم التقرب إلى الله تعالى يكون بالفرض والنفل

والواجب. فشرعت لتمييز بعضها عن بعض فتفرع على ذلك أن ما لا يكون عبادة أو ما لا يلتبس بغيره لا تشترط فيه كالإيمان بالله تعالى كما قدمناه والمعرفة والخوف والرجاء والنية وقراءة القرآن والأذكار لأنها متميزة لا تلتبس بغيرها وما عدا الإيمان لم أره صريحا ولكنه يخرج على الإيمان المصرح به ثم رأيت ابن وهبان في شرح المنظومة قال إن ما لا يكون إلا عبادة لا يحتاج إلى النية، وذكر أيضا أن النية لا تحتاج إلى نية،ونقل العيني في شرح البخاري الإجماع على أن التلاوة والأذكار والاذان لا تحتاج إلى النية "ترجمہ: پھر اللہ پاک کا قرب فرض، نفل اور واجب سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے اسے مشروع قرار دیا گیا ہے، اس پر یہ متفرع ہوتا ہے کہ جو عبادت نہ ہو یا ایسی عبادت ہو جس کا غیر سے التباس نہ ہو، اس میں یہ شرط نہیں۔ جیسے اللہ پاک پر ایمان لانا، جیسا کہ ہم نے اسے مقدم کیا اور معرفت، خوف، امید، نیت، تلاوت قرآن اور اذکار کیونکہ یہ تمام ممتاز ہیں، ان کا غیر کے ساتھ التباس نہیں ہوتا اور میں نے ایمان کے علاوہ کی صراحت نہیں دیکھی، لیکن ان کی تخریج ایمان پر قیاس کرتے ہوئے کی گئی اور ایمان کی صراحت کی گئی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ابن وہبان نے شرح منظومہ میں کہا: اگر وہ عمل صرف عبادت ہی ہو، تو اس کے لیے نیت کی ضرورت نہیں اور یہ بھی ذکر کیا کہ نیت محتاج نیت نہیں ہے۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں نقل فرمایا: اس پر اجماع ہے کہ تلاوت، اذکار اور اذان محتاج نیت نہیں ہیں۔ (الاشباہ والنظائر، ص34-35، مطبوعہ کراچی)

(ب) سارا نصاب خیرات کر دیا، زکاۃ کی نیت نہ کی، بلکہ کوئی بھی نیت نہ کی، تب بھی زکاۃ ادا ہوگئی کہ یہاں کسی اور نیت کا محل ہی نہیں کہ سارا ہی نصاب خیرات کر دیا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينوي الزكاة سقط فرضها وهذا استحسان كذا في الزاهدي، ولا فرق بين أن ينوي النفل أو لم تحضره النية. "ترجمہ: جس نے تمام نصاب صدقہ کر دیا اور زکاۃ کی نیت نہیں کی تو اس کا فرض ساقط ہو گیا اور یہ استحسان ہے، زاہدی میں اسی طرح ہے اور اس معاملہ میں نفل کی نیت کرنے یا نیت کے ذہن میں موجود ہی نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص171، کوئٹہ)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: " بخلاف ما إذا تصدق بالكل فإن المزاحمة انعدمت هناك فسقط عنه الوجوب ضرورة لعدم المزاحمة "ترجمہ: برخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے تمام مال صدقہ کر دیا، تو یہاں رکاوٹ ختم ہوگئی، لہٰذا رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے وجوب ساقط ہو گیا۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص288، کراچی)

(3) نیت کی شرائط

نیت کی درج ذیل شرائط ہیں:

(الف) مسلمان ہونا، (ب) عاقل ہونا، (ج) مَنوی (یعنی جس چیز کی نیت کر رہا ہے، اس) کا علم ہونا، (د) اور یہ کہ نیت اور منوی کے درمیان منوی کے منافی کوئی کام نہ پایا جائے۔

ردالمحتار میں ہے: " (قوله: وشرطها) هو الإسلام والتمييز والعلم بالمنوي وأن لا يأتي بمناف بين النية والمنوي، وبيانه في الأشباه۔ "ترجمہ: نیت کی شرائط: اسلام، تمیز، منوی کا علم، نیت اور منوی کے درمیان منوی کے منافی کوئی کام نہ کرنا ہے اور اس کا بیان اشباہ میں ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج01، ص240، کوئٹہ)

(الف)مسلمان ہونا

کافر نیت کا اہل نہیں ہے۔اسی وجہ سے کافر کی عبادات درست نہیں ہوتیں کہ وہ نیت کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق تفصیل یہ ہے:

(الف)کافر تیمم کرے تو تیمم درست نہیں کہ تیمم میں نیت شرط ہے اور وہ نیت کا اہل نہیں۔

(ب)کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔اسی وجہ سے اس کی یمین منعقد نہیں ہوتی اور اگر پوری نہ ہو، تو کفارہ بھی لازم نہیں آتا۔بدائع الصنائع میں ہے:" والكافر ليس من أهل العبادات فلا تجب بيمينه الكفارة فلا تنعقد يمينه كيمين الصبي والمجنون "ترجمہ:کافر عبادات کا اہل نہیں ہے، لہٰذا اس کی قسم کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا، بچے اور پاگل کی قسم کی طرح اس کی قسم ہی منعقد نہ ہوگی۔

(بدائع الصنائع،کتاب الایمان،ج03،ص20،کوئٹہ)

(ج)کافر کی حالت کفر میں نیت کا اعتبار نہیں ہے اور اس کا اثر بعدِ اسلام کسی عبادت پر نہیں پڑے گا۔یہی وجہ ہے کہ اگر کافر نے حالت کفر میں حج کا احرام باندھا، پھر وقوف عرفہ سے پہلے اسلام لے آیا، تو اب دوبارہ احرام باندھے، ورنہ حج ادا نہیں ہوگا۔فتاوی ہندیہ میں ہے: " والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام كذا في البدائع "ترجمہ:کافر نے جب وقوف عرفہ سے قبل اسلام قبول کیا، تو وہ نیا احرام باندھے، بدائع میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ،کتاب الحج،ج01،ص217،کوئٹہ)

استثنائی صورت

لیکن ایک مسئلہ میں؛وہ یہ کہ اگر کافر تین دن کے سفر کی نیت سے گھر سے نکلا اور ایک یا دو دن کے بعد اسلام لے آیا، تو قصر کرے گا۔ حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے:" حتى لو قصد صبي مسافة سفر فبلغ قبل بلوغ المقصد بيوم لا يقصر بخلاف الكافر إذا أسلم بناء على أن نية الكافر إنشاء السفر معتبرة بخلاف الصبي "ترجمہ:یہاں تک کہ اگر بچے نے مسافتِ سفر کا قصد کیا پھر منزل پر پہنچنے سے ایک دن پہلے بالغ ہوگیا، تو وہ قصر نہیں کرے گا، برخلاف کافر کے کہ جب وہ مسلمان ہوا، اس بناء پر کہ کافر کی انشاءِ سفر کی نیت معتبر ہے، بچے کی معتبر نہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی،ص343،کراچی)

کافر کا وضو وغسل

اوپر یہ مذکور ہوا کہ کافر نیت کا اہل نہیں ہے، لہٰذا جس عمل میں نیت شرط ہے، وہ اگر کافر کرے، وہ درست نہیں ہوتا۔تو جس عمل میں نیت شرط نہیں ہے، وہ اگر کافر کرے، تو اس کا وہ عمل درست ہوجائے گا۔لہٰذا:

کافر کا وضو وغسل درست ہیں کہ ان میں نیت شرط نہیں ہے۔اسی وجہ سے اگر وہ غسل کرے تو اس کے قرآن پاک کو چھونے میں کوئی حرج نہیں۔درر شرح غرر میں ہے:" (فلغا) أي إذا شرط فيه النية لغا (تيمم كافر لا وضوء) لأن الكافر ليس بأهل للنية، والوضوء غير مشروط بها فلو توضأ بلا نية ثم أسلم جازت صلاته به. "ترجمہ:کافر کا تیمم لغو ہے یعنی جب اس میں نیت شرط ہے تو یہ لغو ہے، کیونکہ

کافر نیت کا اہل نہیں ہے بر خلاف وضو کے، کیونکہ وضو میں نیت کی شرط نہیں ہے پس اگر بغیر نیت کے وضو کیا پھر اسلام قبول کیا، تو اس وضو سے نماز جائز ہے۔ (درر شرح غرر، باب التیمم، ج01، ص30، کراچی)

در مختار میں ہے:"(فلغا تيمم كافر لا وضوءه) ؛ لأنه ليس بأهل للنية، فما يفتقر إليها لا يصح منه"ترجمہ:کافر کا تیمم لغو ہے، وضو لغو نہیں ہے، کیونکہ وہ نیت کا اہل نہیں ہے، تو جس میں نیت کی حاجت ہے، وہ کافر سے درست نہیں۔

(الدر المختار مع رد المحتار، باب التیمم، سنن التیمم، ج01، ص465، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے:"قال أبو حنيفة - رحمه الله تعالى -: أعلم النصراني الفقه والقرآن لعله يهتدي، ولا يمس المصحف ،وإن اغتسل ثم مس لا بأس، كذا في الملتقط. "ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: نصرانی کو فقہ اور قرآن سکھایا جائے تا کہ وہ ہدایت پائے، لیکن وہ قرآن کو نہ چھوئے اور اگر غسل کرکے چھوئے تو کوئی حرج نہیں۔ ملتقط میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، ج05، ص323، کوئٹہ)

کافر پر غسل لازم نہ ہونا اور اس کے فوائد

یہاں ایک مسئلہ یاد رہے کہ کافر کا غسل اگرچہ درست ہے، لیکن شرعا اس پر غسل لازم نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان عورت کو دس دن سے کم پر حیض ختم ہو، تو جب تک وہ غسل نہ کرلے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے اتنا کہ جس میں وہ کم از کم غسل کرکے تحریمہ باندھ سکتی ہو، اس سے ہمبستری جائز نہیں ہوتی اور اس کی رجعت کا وقت بھی ختم نہیں ہوتا، لیکن اگر عورت کتابیہ کافرہ ہو، تو محض خون رکنے سے ہی اس سے ہمبستری جائز ہو جاتی ہے اور طلاق کی صورت میں اس کی رجعت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس پر غسل اور نماز لازم نہیں ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:" وإن كانت أيامها أقل من عشرة فما لم تغتسل أو يمض عليها وقت صلاة كامل لا تبطل الرجعة ولا يجوز لها أن تتزوج بآخر، هذا إذا كانت مسلمة أما إذا كانت كتابية فبنفس الانقطاع تبطل الرجعة ويحل لزوجها وطؤها ويجوز لها أن تتزوج بآخر سواء كانت أيام حيضها عشرة أو أقل كذا في السراج الوهاج."ترجمہ: اگر اس کے حیض کے دن دس سے کم ہوں، تو جب تک وہ غسل نہ کرلے یا اس پر ایک نماز کا کامل وقت نہ گزر جائے، اس سے رجوع کا وقت ختم نہیں ہوتا اور اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی اور سے شادی کرے، یہ حکم مسلمان عورت کا ہے۔ بہرحال کتابیہ عورت تو اس کا خون بند ہوتے ہی رجوع کا وقت ختم ہو گیا اور اس کے شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا، جائز ہے اور اس کا کسی دوسرے سے شادی کرنا، جائز ہے چاہے اس کے ایام حیض دس ہوں یا اس سے کم۔ السراج الوہاج میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج01، ص528، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے:" وإذا انقطع دم الحيض لأقل من عشرة أيام لم يجز وطؤها حتى تغتسل أو يمضي عليها آخر وقت الصلاة الذي يسع الاغتسال والتحريمة"ترجمہ: جب حیض کا خون دس دن سے کم میں ختم ہوا، تو اس سے وطی کرنا، جائز نہیں، یہاں تک کہ وہ غسل کرلے یا اس پر نماز کا ایسا آخری وقت گزر جائے کہ جس میں غسل کرنے اور تحریمہ کہنے کی گنجائش ہو۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الطہارۃ، الباب السادس، الفصل الرابع، ج01، ص39، کوئٹہ)

بدائع الصنائع میں ہے: "فأما إذا كانت كتابية فقد قالوا: إن الرجعة تنقطع عنها بنفس انقطاع الدم لأنها غير مخاطبة بالغسل ولا يلزمها فرض الغسل كالمسلمة "ترجمہ: جب عورت کتابیہ ہو، تو علما نے فرمایا: خون ختم ہوتے ہی رجوع کا وقت ختم ہوگیا، کیونکہ اسے غسل کا حکم نہیں اور نہ اس پر مسلمان عورت کی طرح غسل فرض ہے۔ (بدائع الصنائع، باب الرجعۃ، ج03، ص292، کوئٹہ)

(ب) تمیز

نیت درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نیت کرنے والا عاقل ہو، لہذا:

(الف) غیر ممیّز بچے اور مجنون کی عبادت درست نہیں ہوتی اور تمیز نہ ہونے کے باعث (ب) غشی، (ج) جنون اور (د) نشے سے (جبکہ نشہ اتنا ہو کہ چلنے میں پاؤں لڑکھڑائیں) وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ (ح) اسی طرح مرگی سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ درمختار میں ہے: "(و) ينقضه (إغماء)۔۔۔(وجنون وسكر) بأن يدخل في مشيه تمايل "ترجمہ: بے ہوشی، پاگل پن اور ایسا نشہ جس سے چلنے میں پاؤں لڑکھڑائیں، وضو کو توڑ دیتے ہیں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "المصروع إذا أفاق عليه الوضوء تتارخانية. "ترجمہ: مرگی والے کو جب افاقہ ہوا، تو اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا، تتارخانیہ۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج01، ص299 تا300، کوئٹہ)

(ج) منوی کا علم ہونا

نیت درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی نیت کر رہا ہے، اس کے بارے میں ضروری معلومات ہوں، اگر ضروری معلومات نہ ہوئیں تو نیت درست نہیں ہوگی۔ اس کے مطابق احکامات کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اگر فرضیت جانتا ہی نہ ہو، مثلاً پانچوں وقت نماز پڑھتا ہے، مگر ان کی فرضیت علم میں نہیں، نماز نہ ہوگی اور اس پر ان تمام نمازوں کی قضا فرض ہے۔ مگر جب امام کے پیچھے ہو اور یہ نیت کرے کہ امام جو نماز پڑھتا ہے وہی میں بھی پڑھتا ہوں، تو یہ نماز ہو جائے گی۔ (ب) لیکن اگر جانتا ہو مگر فرض کو غیر فرض سے متمیّز نہ کیا، تو دو صورتیں ہیں:

۱: اگر سب میں فرض ہی کی نیت کرتا ہے، تو نماز ہو جائے گی، مگر جن فرضوں سے پیشتر فرضوں کی رکعتوں کے برابر رکعتوں والی سنتیں ہیں، اگر سنتیں پڑھ چکا ہے تو اِمامت نہیں کر سکتا کہ سنتیں بہ نیت فرض پڑھنے سے اس کا فرض ساقط ہو چکا۔ مثلاً ظہر کے پیشتر چار رکعت سنتیں بہ نیت فرض پڑھیں، تو اب فرض نماز میں اِمامت نہیں کر سکتا کہ یہ فرض پڑھ چکا۔

۲: دوسری صورت یہ کہ نیتِ فرض کسی میں نہ کی، تو نمازِ فرض ادا نہ ہوئی۔ درمختار میں ہے: "فلو جهل الفرضية لم يجز؛ ولو علم ولم يميز الفرض من غيره، إن نوى الفرض في الكل جاز، وكذا لو أم غيره فيما لا سنة قبلها "ترجمہ: پس اگر فرضیت سے جاہل ہو، تو نماز جائز نہیں اور اگر فرضیت کا علم ہو، لیکن فرض کو اس کے غیر سے ممتاز نہ کیا، تو اگر سب میں فرض کی نیت کی تو جائز ہے اور اسی طرح حکم ہے اگر غیر کی امامت کی ان نمازوں میں جن سے قبل سنتیں نہیں ہیں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله فلو جهل الفرضية) أي فرضية الخمس إلا أنه كان يصليها في مواقيتها لم يجز وعليه قضاؤها لأنه لم ينو الفرض إلا إذا صلى مع الإمام ونوى صلاة الإمام بحر عن الظهيرية (قوله ولو علم إلخ) أي علم فرضية الخمس لكنه لا يميز الفرض من السنة والواجب (قوله جاز) أي صح فعله (قوله وكذا لو أم غيره إلخ) يعني أن من لا يميز الفرض من غيره إذا نوى الفرض في الكل جاز كونه إماما أيضا فيصح الاقتداء به، لكن في صلاة لا سنة قبلها: أي في صلاة لم يصل قبلها مثلها في عدد الركعات لأنه لو صلى قبلها مثلها سقط عنه الفرض وصار ما بعده نفلا فلا يصح اقتداء المفترض به"

ترجمہ: ان کا قول: اگر فرضیت سے جاہل ہو یعنی پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے جاہل ہو، لیکن تمام نمازیں ان کے وقتوں میں پڑھتا ہو، تو جائز نہیں اور اس پر ان نمازوں کی قضا لازم ہے، کیونکہ اس نے فرض کی نیت نہیں کی، سوائے اس صورت کے کہ جب اس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی اور امام کی نماز کی نیت کی۔ بحر عن الظہیریہ۔ ان کا قول: اور اگر فرضیت کا علم ہو الخ یعنی پانچ نمازوں کی فرضیت کا علم ہو، لیکن وہ فرض کو سنت اور واجب سے ممتاز نہ کرتا ہو۔ ان کا قول: جائز ہے یعنی اس کا فعل درست ہے۔ ان کا قول: اسی طرح اگر کسی اور کی امامت کی الخ یعنی جو فرض کو اس کے غیر سے ممتاز نہ کرتا ہو، جب اس نے تمام نمازوں میں فرض کی نیت کی تو اس کا امام ہونا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کی اقتدا درست ہے، لیکن ان نمازوں میں جن سے قبل سنتیں نہیں ہیں یعنی اس نماز میں جس سے پہلے اس نے فرض جتنی رکعات ادا نہ کی ہوں، کیونکہ اگر اس نے پہلے اتنی رکعات پڑھ لیں، تو اس کا فرض ساقط ہو گیا اور بعد والی نماز نفل ہو گی، تو فرض پڑھنے والے کے لیے اس کی اقتدا کرنا درست نہیں ہو گا۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، ج02، ص117، کوئٹہ)

استثنائی صورت

ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جن میں منوی یعنی جس کی نیت کر رہا ہے، اس کے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا ہے، تب بھی نیت درست ہے، چنانچہ

(الف) احرام کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر احرام مبہم باندھا، باندھتے وقت متعین نہیں کیا تھا کہ کس کا احرام باندھ رہا ہے، تو احرام درست ہے اور اسے اختیار ہے جس کا چاہے قرار دے، لیکن اگر کوئی متعین نہ کیا اور ایک چکر ادا کر لیا، تو وہ عمرہ کا ہو گا۔ یونہی طواف سے پہلے جماع کر لیا یا اسے روک دیا گیا، تو وہ عمرہ ہو گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "قيل له: فإن خرج ولا نية له وأحرم ولم ينو شيئا؟ قال: له أن يجعله ما شاء ما لم يطف بالبيت، كذا في فتاوى قاضي خان، فإذا طاف شوطا واحدا كان إحرامه إحرام عمرة كذا في محيط السرخسي، وكذا لو لم يطف حتى جامع أو أحصر كانت عمرة؛ لأن القضاء قد وجب فأوجبنا ما هو الأقل والمتيقن وهو العمرة كذا في الإيضاح." ترجمہ: ان سے پوچھا گیا: اگر اس نے نکلتے ہوئے کوئی نیت نہ کی اور بغیر کسی نیت کے ہی احرام باندھ لیا تو کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: جب تک اس نے بیت اللہ کا طواف (شروع) نہیں کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ احرام کو جس کا چاہے قرار دے۔ قاضی خان میں اسی طرح ہے۔ پس جب اس نے طواف کا ایک چکر لگا لیا، تو اس کا احرام عمرے کا ہو گیا، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے اور اسی طرح اگر اس نے طواف نہیں کیا حتی کہ اس نے جماع کر لیا یا اس کو روک دیا گیا، تو یہ احرام عمرہ کا ہے، کیونکہ اس پر قضا واجب ہو گئی، تو ہم نے اس کو لازم قرار دیا جو کم اور یقینی ہے اور وہ عمرہ ہے، ایضاح میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب المناسک، الباب الثالث، ج01، ص223، کوئٹہ)

(ب)اسی طرح اگر یہ نیت کی کہ فُلاں نے جس کا احرام باندھا اُسی چیز کا میرا احرام ہے اور بعد میں معلوم ہو گیا کہ اُس نے کس چیز کا احرام باندھا ہے، تو اُس کا بھی وہی ہے، لیکن اگر معلوم نہ ہوا تو طواف کے پہلے پھیرے سے پیشتر جو چاہے معین کرلے اور طواف کا ایک پھیرا کرلیا تو عمرہ کا ہو گیا۔ یونہی طواف سے پہلے جماع کیا یا روک دیا گیا یا وقوفِ عرفہ کا وقت نہ ملا، تو عمرہ کا ہے۔ مناسک ملا علی قاری میں ہے: "(ولو بما احرم به غيره) اى ولم يعلم بما احرم به غيره (فهو مبهم) اى فاحرامه اوحكمه كالمبهم (فيلزمه حجة اوعمرة) اى على ماسبق (وان فات) اى وقوفه (تعين للعمرة وكذا لو احصر) وكذا لو جامع فافسده كما تقدم" ترجمہ: اور اگر اس نے اُس کا احرام باندھا جس کا اس کے غیر نے احرام باندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کے غیر نے کس کا احرام باندھا ہے، تو یہ مبہم ہے یعنی اس کا احرام یا اس احرام کا حکم مبہم کی طرح ہے۔ پس اس پر حج یا عمرہ لازم ہو جائے گا یعنی اسی کے مطابق جو پیچھے گزرا اور اگر اس کا وقوف فوت ہو گیا، تو یہ عمرہ کے لیے متعین ہو گیا اور اسی طرح اگر اسے روک دیا گیا اور اسی طرح اگر اس نے جماع کر کے اسے فاسد کر دیا جیسا کہ پیچھے گزرا۔

(مناسک ملا علی قاری، فصل فی ابھام النیۃ واطلاقھا، ص119، کوئٹہ)

(د)نیت اور منوی کے درمیان کوئی منافی نہ آئے

نیت درست ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نیت اور منوی یعنی جس کی نیت کر رہا ہے، ان کے درمیان منوی کا منافی (مخالف) عمل نہ پایا جائے۔ چنانچہ اس کے مطابق درج ذیل تفصیل ہے:

تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کر سکتے ہیں، جبکہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی منافی نہ آئے، یعنی ایسا عمل نہ آئے جو نماز کے منافی ہو جیسے کھانا، پینا وغیرہ۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: " (والمتقدم على التكبير كالقائم عنده) إذا لم يوجد ما يقطعه، وهو عمل لا يليق بالصلاة، وهذا على سبيل الجواز، فإنه روي عن محمد أنه لو نوى عند الوضوء أنه يصلي الظهر أو العصر مع الإمام ولم يشتغل بعد النية بما ليس من جنس الصلاة إلا أنه لما انتهى إلى مكان الصلاة لم تحضره النية جازت صلاته بتلك النية، وأما الأفضل فأن تكون مقارنة للشروع ولا يكون شارعا بنية متأخرة۔۔۔" ترجمہ: اور تکبیر سے پہلے نیت کرنا تکبیر کے وقت کھڑے ہونے کی طرح ہی ہے جب کہ کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جو اس کو ختم کرنے والا ہو اور اس سے مراد ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو اور یہ حکم بطور جواز ہے۔ بے شک حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وضو کے وقت اس نے نیت کی کہ وہ ظہر یا عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھے گا اور نیت کے بعد کسی ایسے عمل میں مشغول نہیں ہوا جو نماز کی جنس سے نہ ہو اور پھر جب وہ نماز کی جگہ پہنچا تو نیت اس کے ذہن میں حاضر نہیں تھی تو اس کی نماز اسی نیت سے درست ہو گئی۔ البتہ افضل یہ ہے کہ نیت شروع کرنے کے ساتھ ملی ہو اور بعد میں کی جانے والی نیت سے تو شروع کرنے والا ہی نہیں ہو گا۔

(عنایہ علی ھامش فتح القدیر، باب شروط الصلوۃ، ج01، ص272، کوئٹہ)

مختلف کاموں کے منافی امور

ا۔ ارتداد عبادات کے منافی ہے، لہٰذا اگر

(الف)عبادت کے دوران ارتداد پایاجائے،تواس کی وجہ سے عبادت باطل ہو جاتی ہے۔ردالمحتار میں ہے "والردة تبطل القربة التي قارنتها كما لو ارتد في حال صلاته أو صومه"ترجمہ:ارتداد جب عبادت سے ملا ہو،تو وہ عبادت کو باطل کر دیتا ہے،جیسے اگر کوئی (معاذاللہ)نماز یاروزے کی حالت میں مرتد ہو گیا۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار،کتاب الوقف،ج06،ص612،کوئٹہ)

(ب)وقف کر دیااوراس کے بعد مرتد ہو گیا، تووقف باطل ہو گیا۔فتاوی ہندیہ میں ہے:"ولو ارتد المسلم بطل وقفه ذكره الخصاف كذا في النهر الفائق ويصير ميراثا سواء قتل على ردته أم مات أو عاد إلى الإسلام إلا إن اعاد الوقف بعد عوده إلى الإسلام كما أوضحه الخصاف في آخر الكتاب."ترجمہ:اگر مسلمان مرتد ہو گیا،تواس کاوقف باطل ہو گیا،اسے علامہ خصاف نے ذکر کیا ہے،نہرالفائق میں اسی طرح ہے اور وہ جگہ میراث ہو جائے گی،چاہے اسے حالت ارتداد پر قتل کر دیاجائے یاوہ مر جائے یاوہ اسلام کی طرف لوٹ آئے،مگر یہ کہ اسلام کی طرف لوٹنے کے بعد دوبارہ وقف کر دے،جیسا کہ علامہ خصاف نے کتاب کے آخر میں اسے واضح کیا ہے۔

(فتاوی ہندیہ،ج02،ص354،کوئٹہ)

(ج)حج اداکر لیااوراس کے بعد معاذاللہ مرتد ہو گیا،توحج ختم ہو جائے گا،بعدِ اسلام استطاعت پائے جانے کی صورت میں دوبارہ حج لازم ہو گا۔فتاوی ہندیہ میں ہے:"ولو حج ثم ارتد ثم أسلم لزمه أخرى إذا استطاع كذا في السراجية."ترجمہ:اگرحج کیا،پھر مرتد ہو گیا،پھر مسلمان ہوا تواستطاعت ہونے کی صورت میں اس پر دوبارہ حج لازم ہے،سراجیہ میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ،کتاب المناسک،ج01،ص217،کوئٹہ)

(د)منت مان کر معاذاللہ مرتد ہو گیا،تومنت ساقط ہو گئی۔فتاوی ہندیہ میں ہے:"ولو نذر اعتكاف شهر ثم ارتد ثم أسلم لم يلزمه شيء كذا في محيط السرخسي."ترجمہ:اگر ایک مہینہ اعتکاف کی منت مانی،پھر مرتد ہو گیا،پھر مسلمان ہوا تواس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ،کتاب الصوم،الباب السابع،ج01،ص214،کوئٹہ)

(ہ)معاذ اللہ کوئی مرتد ہو گیا،توزمانہ اسلام میں جو زکاۃ نہیں دی تھی ساقط ہو گئی۔فتاوی ہندیہ میں ہے:"ثم الإسلام كما هو شرط الوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا حتى لو ارتد بعد وجوبها سقطت"ترجمہ:پھر اسلام جیسا کہ وجوب کی شرط ہے،ایسے ہی ہمارے نزدیک زکاۃ کے (ذمہ پر)باقی رہنے کے لیے بھی شرط ہے،حتی کہ اگر زکاۃ واجب ہونے کے بعد مرتد ہو گیا،تووہ زکاۃ ساقط ہو گئی۔

(فتاوی ہندیہ،کتاب الزکاۃ،ج01،ص171،کوئٹہ)

(و)آیت سجدہ پڑھنے کے بعد معاذاللہ مرتد ہو گیا،پھر مسلمان ہوا،تووہ سجدہ واجب نہ رہا۔فتاوی ہندیہ میں ہے:"وكذا المسلم إذا قرأ آية السجدة ثم ارتد - والعياذ بالله - ثم أسلم لم تجب عليه تلك السجدة."ترجمہ:اور اسی طرح جب مسلمان نے آیت سجدہ تلاوت کی،پھر وہ معاذاللہ مرتد ہو گیا،پھر مسلمان ہوا تواس پر وہ سجدہ واجب نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ،ج01،ص133،کوئٹہ)

۲۔نیتِ قطع(عمل ختم کرنے کی نیت)بھی منافی میں سے ہے،لہذا

(الف) کفر اختیار کرنے کی نیت کی تو فوراً کافر ہو گیا۔ فتح القدیر میں ہے: " بخلاف نية الكفر فإنها تؤثر إبطال الإيمان والعياذ بالله تعالی "ترجمہ: بر خلاف کفر کی نیت کے کہ وہ ایمان کو باطل کرنے میں مؤثر ہے۔ معاذ اللہ (فتح القدیر، ج01، ص531، کوئٹہ)

(ب) رات میں روزے کی نیت کی تھی، پھر صبح صادق سے پہلے پختہ ارادہ کر لیا کہ روزہ نہیں رکھنا، تو پہلی نیت ختم ہو گئی۔

(نوٹ)

نماز، روزہ شروع ہو گیا، تو نیت قطعِ عمل نہیں کرے گی۔

ہاں، نماز و روزہ شروع ہو گیا، تو اب توڑنے کی فقط نیت سے وہ نہیں ٹوٹتے، جب تک کہ ان کے منافی کوئی کام نہ کیا جائے۔ در مختار میں ہے: " ولا تبطل بالمشيئة بل بالرجوع عنها بأن يعزم ليلا على الفطر ونية الصائم الفطر لغو "ترجمہ: صرف چاہنے سے وہ نیت باطل نہیں ہو گی، بلکہ اس سے رجوع کرنے سے باطل ہو گی یعنی اس طرح کہ وہ رات کو ہی پختہ ارادہ کر لے کہ وہ روزہ نہیں رکھے گا اور روزہ دار کی روزہ توڑنے کی نیت لغو ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: " (قوله: بأن يعزم ليلا على الفطر) فلو عزم عليه ثم أصبح وأمسك ولم ينو الصوم لا يصير صائما تتارخانية (قوله: ونية الصائم الفطر لغو) أي نيته ذلك نهارا وهذا تصريح بمفهوم قوله بأن يعزم ليلا "ترجمہ: ان کا قول: رات کو روزہ نہ رکھنے کا پختہ ارادہ کر لے، پس اگر اس نے رات کو یہ ارادہ کر لیا، پھر صبح کی اور کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہا، لیکن روزے کی نیت نہیں کی تو وہ روزہ دار نہیں ہے، تتارخانیہ۔ ان کا قول: روزہ دار کی روزہ توڑنے کی نیت لغو ہے۔ یعنی دن کے وقت اس کی یہ نیت اور یہ ان کے قول " رات کو پختہ ارادہ کر لے " کے مفہوم مخالف کی صراحت ہے۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصوم، ج03، ص398، کوئٹہ)

(ج)(۱) مسافر نے سفر ختم کرنے کی نیت کر کے اقامت کی نیت کر لی اور اقامت کی شرائط متحقق تھیں، تو سفر ختم ہو گیا یا (۲) تین دن کا سفر ہونے سے پہلے ہی واپسی کا پکا ارادہ کر لیا، تو سفر ختم ہو جائے گا یا (۳) تین دن سے پہلے کسی مقام پر اقامت کی نیت کر لی خواہ وہ جنگل ہی ہو تو مقیم ہو جائے گا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: " ولا يصير مسافرا بالنية حتى يخرج ويصير مقيما بمجرد النية، كذا في محيط السرخسي۔۔۔۔ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر، كذا في الهداية. هذا إذا سار ثلاثة أيام أما إذا لم يسر ثلاثة أيام فعزم على الرجوع أو نوى الإقامة يصير مقيما وإن كان في المفازة ونية الإقامة إنما تؤثر بخمس شرائط: ترك السير حتى لو نوى الإقامة وهو يسير لم يصح، وصلاحية الموضع حتى لو نوى الإقامة في بر أو بحر أو جزيرة لم يصح، واتحاد الموضع والمدة، والاستقلال بالرأي، هكذا في معراج الدراية. "ترجمہ: محض نیت سے مسافر نہیں ہو گا، یہاں تک کہ سفر پر نکل نہ آئے اور مقیم محض نیت سے ہو جائے گا، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے اور وہ مسافر کے حکم میں رہے گا، یہاں تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ رکنے کی نیت نہ کر لے، ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ تین دن سفر کر چکا ہو اور اگر تین دن سفر سے پہلے ہی واپسی کا ارادہ کر لیا یا اقامت کی نیت کر لی، تو مقیم ہو گیا، اگرچہ جنگل میں ہو اور اقامت کی نیت پانچ شرائط کے ساتھ مؤثر ہوتی ہے: (1) سفر کو ترک کرنا، حتی کہ اگر اقامت کی نیت کی اور وہ سفر بھی کر رہا ہو تو یہ نیت درست نہیں۔ (2) اس جگہ کا اقامت کے لائق ہونا، حتی کہ اگر جنگل، یا دریا

یا جزیرے پر اقامت کی نیت کی تو درست نہیں۔(3) ایک جگہ رکنے کی نیت کرنا،(4) مدت (5) اور رائے میں مستقل ہونا۔ معراج الدرایہ میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، ج 01، ص 139، کوئٹہ)

(د) مال تجارت کے متعلق تجارت کی نیت ختم کر دی، تو وہ تجارت ہونے سے نکل جائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:" ومن اشتری جاریة للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة كذا في الزاهدي. "ترجمہ: جس نے تجارت کے لیے لونڈی خریدی اور (پھر) خدمت کے لیے رکھنے کی نیت کر لی، تو اس سے زکاۃ کا حکم ختم ہو گیا، زاہدی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج 01، ص 174، کوئٹہ)

۳۔ منافی میں سے تردد بھی ہے

یعنی نیت دل کا پختہ ارادہ ہے، پختہ ارادہ نہ ہو، بلکہ تردد یعنی شک ہو، تو اس سے نیت درست نہیں ہوتی۔ لہذا

(الف) اگر خدمت کے لیے غلام یا رکھنے کے لیے پلاٹ لیا اور نیت یہ ہے کہ اگر نفع ملا تو اسے بیچ دوں گا، تو تجارت کی نیت میں تردد ہونے کی وجہ سے وہ مال تجارت نہیں بنے گا۔ لہذا اس پر زکوۃ نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے:" اشتری شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه "ترجمہ: کوئی چیز پاس رکھنے کے لیے اس نیت سے خریدی کہ اگر نفع مل گیا، تو بیچ دے گا تو اس پر زکاۃ نہیں ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصوم، ج 03، ص 398، کوئٹہ)

(ب) تیس شعبان کو اس طرح روزہ رکھا کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے، تو میرا روزہ ہے، ورنہ نہیں، تو اس صورت میں نیت میں تردد ہونے کی وجہ سے روزہ ہی نہیں ہوگا۔ در مختار میں ہے:" (وليس بصائم لو) ردد في أصل النية بأن (نوى أن يصوم غدا إن كان من رمضان وإلا فلا) أصوم لعدم الجزم "ترجمہ: اگر اصل نیت میں شک ہو تو وہ روزہ دار نہیں، جیسے اگر اس طرح نیت کی کہ اگر کل رمضان ہو گیا، تو اس کا روزہ ہے اور اگر رمضان نہ ہوا تو روزہ نہیں ہے، تو یقین نہ ہونے کی وجہ سے روزہ نہ ہوا۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، ج 3، ص 403، کوئٹہ)

(ج) امام کو نماز میں پایا یہ نہیں معلوم کہ عشاء پڑھتا ہے یا تراویح اور نیت یوں کی کہ اگر فرض نماز ہے، تو اقتدا کی ورنہ نہیں۔ تو امام فرض میں ہو یا تراویح میں، دونوں صورتوں میں اقتدا درست نہیں ہوئی کہ نیت میں تردد ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:"لو وجد الإمام في الصلاة ولم يدر أنها الفريضة أو التراويح فقال: إن كانت العشاء اقتديت به وإن كانت التراويح ما اقتديت به لا يصح الاقتداء سواء كان في العشاء أو في التراويح "ترجمہ: اگر امام کو نماز میں پایا اور نہیں جانتا ہے کہ وہ فرض پڑھ رہا ہے یا تراویح تو اس نے کہا: اگر نماز عشا ہے تو میں نے اس کی اقتدا کی اور اگر تراویح ہے تو اقتدا نہیں کی تو چاہے نماز عشا ہو یا تراویح بہر صورت اقتدا درست نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، ج 01، ص 67، کوئٹہ)

(د) کسی نے امام کو قعدہ میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلا قعدہ ہے یا آخری قعدہ۔ اس نے یوں نیت کی کہ اگر امام پہلے قعدے میں ہے تو میں نے اقتدا کی، ورنہ نہیں۔ تو امام اگرچہ پہلے میں ہی ہو، پھر بھی تردد کی وجہ سے اقتدا درست نہیں ہوئی۔ اسی صورت میں اگر یوں نیت کی کہ اگر امام پہلے قعدے میں ہے تو فرض کی نیت سے اقتدا کرتا ہوں ورنہ نفل کی نیت سے، تو امام اگرچہ پہلے قعدے میں ہو پھر بھی فرض ادا نہ ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:" رجل انتهى إلى المسجد ليصلي الظهر فوجد الإمام في القعدة ولم يدر أنها القعدة الأولى أو الأخيرة

فاقتدی به ونوی أنه إن كانت الأولى اقتديت به وإن كانت الأخيرة ما اقتديت لا يصح الاقتداء، وكذا لو نوى إن كانت الأولى اقتديت به في الفريضة وإن كانت الأخيرة اقتديت به في التطوع لا يصح اقتداؤه في الفريضة "ترجمہ: ایک شخص مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے پہنچا تو اس نے امام کو قعدہ میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ وہ قعدہ اولیٰ ہے یا قعدہ اخیرہ، تو اس نے اس طرح نیت کرتے ہوئے اقتدا کی کہ اگر قعدہ اولیٰ ہے، تو میں نے اس کی اقتدا کی اور اگر قعدہ اخیرہ ہے، تو میں نے اقتدا نہیں کی، تو اقتدا درست نہ ہوئی اور اسی طرح اگر اس نے یہ نیت کی کہ اگر قعدہ اولیٰ ہے، تو میں نے فرض نماز میں اس امام کی اقتدا کی اور اگر قعدہ اخیرہ ہے، تو میں نے اس کی نفل نماز میں اقتدا کی، تو فرض نماز میں اس کی اقتدا درست نہ ہوئی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصلاۃ، ج01، ص67، کوئٹہ)

(4)نیت کا محل

نیت کا محل دل ہے۔ لہٰذا اگر دل میں نیت نہیں، تو فقط زبان سے الفاظ ادا کرنے سے نیت نہیں پائی جائے گی۔ نیز جب اعتبار دل کی نیت کا ہے، تو اسی پر یہ مسائل متفرع ہیں کہ:

(الف) دل میں یہ نیت ہے کہ ظہر ادا کرتا ہوں اور زبان سے عصر کا لفظ نکل گیا، تو وہ ظہر ہی ادا ہوگی۔

در مختار میں ہے: " (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نية" ترجمہ: نیت میں دل کا عمل معتبر ہے، جو ارادہ کو لازم ہے، لہٰذا اگر زبان کے الفاظ دل کے مخالف ہوں، تو ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ کلام ہے نہ کہ نیت۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: " (قوله إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا أجزأه كما في الزاهدي قهستاني "ترجمہ: ان کا قول: اگر الفاظ دل کے مخالف ہوں پس اگر اس نے ظہر کی نماز کا قصد کیا اور بھولے سے الفاظ میں عصر کو ذکر کر دیا، تو یہ اسے کفایت کر جائے گا (یعنی اس کی ظہر کی نماز ہو گئی) جیسا کہ زاہدی میں ہے، قہستانی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج02، ص112، کوئٹہ)

(ب) دل میں حج کا ارادہ تھا، زبان سے عمرہ کا لفظ نکل گیا یا عمرہ کا ارادہ تھا اور زبان سے حج کا لفظ نکل گیا، تو جس کا ارادہ تھا اسی کا احرام قرار پائے گا۔ اسی طرح دل میں حج و عمرہ دونوں کا ارادہ تھا، زبان سے حج کا لفظ نکل گیا، تو حج و عمرہ دونوں کا احرام قرار پائے گا، یعنی حج قران کا۔ فتح القدیر میں ہے: " ولو لبى بالحج وهو يريد العمرة أو على القلب فهو محرم بما نوى لا بما جرى على لسانه، ولو لبى بحجة وهو يريد الحج والعمرة كان قارنا "ترجمہ: اگر حج کا تلبیہ کہہ دیا، حالانکہ اس کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا یا اس کے الٹ معاملہ ہوا، تو وہ اسی کے ساتھ محرم ہے جس کی اس نے نیت کی، نہ کہ اس کے ساتھ جو زبان پر جاری ہو گیا اور اگر حج کا تلبیہ کہا، حالانکہ اس کا ارادہ حج اور عمرہ دونوں کا تھا، تو وہ قارن ہے۔ (فتح القدیر، باب الاحرام، ج02، ص446، کوئٹہ)

مستثنیات

ہاں بعض مسائل اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ وہاں دل کی نیت کا نہیں، بلکہ زبان سے اداشدہ الفاظ کا اعتبار ہے، چنانچہ

(الف) قسم کھانا نہیں چاہتا تھا، لیکن غلطی سے قسم کے الفاظ نکل گئے، مثلاً کہنا چاہتا تھا کہ پانی لاؤ پیوں گا اور غلطی سے الفاظ یہ نکل گئے کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا۔ تو اس صورت میں قسم منعقد ہو جائے گی۔ اگر توڑے گا، تو کفارہ دینا ہو گا۔ درر شرح غرر میں ہے: "(وكفر فيه) أي في هذا القسم (فقط) أي دون الأولين ـــ (إن حنث) الحالف وقوله "فقط" إشارة إلى خلاف الشافعي في الغموس فإن الكفارة تجب فيها أيضا عنده (ولو) كان الحالف (مكرها أو ناسيا) أي مخطئا كما إذا أراد أن يقول: اسقني الماء، فقال: والله لا أشرب الماء" ترجمہ: (اگر) قسم اٹھانے والے نے (قسم توڑی تو صرف اِس قسم میں کفارہ دے گا،) پہلی دو میں کفارہ لازم نہیں اور "فقط" کہنے میں یمین غموس کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے، بے شک ان کے نزدیک اس میں بھی کفارہ لازم ہے۔ (اگرچہ وہ) قسم اٹھانے والا (مُکرَہ یا بھول کرنے والا ہو) یعنی خطا کرنے والا ہو، جیسے جب یہ کہنے کا ارادہ کیا: مجھے پانی پلاؤ۔ لیکن یہ کہہ دیا: اللہ کی قسم پانی نہیں پیوں گا۔ (درر شرح غرر، کتاب الایمان، انواع الیمین، ج02، ص39، کراچی)

(ب) طلاق کے علاوہ کوئی اور بات کرنا چاہتا تھا، لیکن غلطی سے الفاظ طلاق نکل گئے، تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً بیوی سے پانی کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا، زبان سے غلطی سے الفاظِ طلاق نکل گئے، تو طلاق ہو گئی۔ الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: "وكذلك إذا أراد غير الطلاق فسبق لسانه بالطلاق وقع، لأنه عدم القصد وهو غير معتبر فيه. وروى هشام عن محمد عن أبي حنيفة أن من أراد أن يقول لامرأته اسقني الماء فقال أنت طالق، وقع." ترجمہ: اور اسی طرح جب طلاق کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ کیا، لیکن سبقت لسانی سے الفاظ طلاق نکل گئے تو طلاق واقع ہو گئی، کیونکہ یہ قصد کا نہ ہونا ہے اور طلاق میں قصد معتبر نہیں ہے (یعنی طلاق میں قصد ہونا ضروری نہیں) اور حضرت ہشام نے امام محمد سے، انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ جس نے اپنی بیوی سے یہ کہنا چاہا: "مجھے پانی پلا دو" لیکن یہ کہہ دیا: "تو طلاق والی ہے" تو طلاق واقع ہو گئی۔ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الطلاق، حکم طلاق المکرہ الخ، ج03، ص156، کوئٹہ)

(ج) صریح الفاظ طلاق کسی اور معنی کی نیت سے ادا کیے تو قضاءً اس کا اعتبار نہیں ہو گا، بلکہ الفاظ کا اعتبار ہو گا، لہٰذا طلاق واقع ہو جائے گی۔ فتح القدیر میں ہے: "لو قال: أنت طالق ثم قال: نويت من وثاق لا يصدق في القضاء لأنه خلاف الظاهر" ترجمہ: اگر کہا کہ تو طلاق والی ہے پھر کہا: میں نے یہ نیت کی تھی کہ تو بندش سے آزاد ہے، تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الطلاق، ج04، ص61، کوئٹہ)

(د) کسی کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام زینب اور دوسری کا عمرہ تھا۔ وہ زینب کو طلاق دینا چاہتا تھا اور غلطی سے اس کی زبان سے عمرہ کے متعلق طلاق کے الفاظ نکل گئے۔ تو قضاءً عمرہ کو طلاق واقع ہو گی۔ فتح القدیر میں ہے: "وفي الحاوي معزوا إلى الجامع الأصغر، أن أسدا سأل عمن أراد أن يقول: زينب طالق فجرى على لسانه عمرة على أيهما يقع الطلاق، فقال في القضاء: تطلق التي سماها" ترجمہ: حاوی میں جامع اصغر کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ اسد نے اس شخص کے بارے سوال کیا جس نے یہ کہنے کا ارادہ کیا کہ زینب طلاق والی ہے، لیکن اس کی زبان پر عمرہ (یعنی عمرہ طلاق والی ہے) جاری ہو گیا تو طلاق کسے ہو گی؟ تو انہوں نے فرمایا: قضاءً تو اسی کو طلاق ہو گی جس کا نام اس نے ذکر کیا۔ (فتح القدیر، باب ایقاع الطلاق، ج04، ص05، کوئٹہ)

(ہ) طلاق کے الفاظ کے ساتھ الفاظ استثناء متصلاً ذکر کیے جائیں، تو طلاق واقع نہیں ہوتی، لیکن اس کے لیے قصد ہونا ضروری نہیں ہے، اگر بلا قصد بھی الفاظ استثناء زبان سے نکل گئے تو استثناء درست ہو جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ہدایہ میں ہے: "(وإذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق إن شاء اللہ تعالی متصلا لم يقع الطلاق)" ترجمہ: جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو طلاق والی ہے ان شاء اللہ، ان شاء اللہ متصل کہا تو طلاق واقع نہ ہوئی۔

اس کے تحت فتح القدیر میں ہے: "(قوله وإذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء اللہ إلخ) وكذا إذا قال: إن لم يشأ اللہ أو ما شاء اللہ أو فيما شاء اللہ أو إلا أن يشاء اللہ أو إن شاء الجن أو الحائط وكل من لم يوقف له على مشيئة لم يقع إذا كان متصلا فلا يفتقر إلى النية، حتى لو جرى على لسانه من غير قصد لا يقع." ترجمہ: ان کا قول: جب اپنی بیوی سے کہا تو طلاق والی ہے ان شاء اللہ الخ اور اسی طرح جب کہا: ان لم یشأ اللہ (اگر اللہ نے نہ چاہا) یا ماشاء اللہ (جو اللہ نے چاہا) یا فیما شاء اللہ (اس کے مطابق جو اللہ نے چاہا) یا الا ان یشاء اللہ (مگر یہ کہ اللہ چاہے) یا ان شاء الجن (اگر جن نے چاہا)، ان شاء الحائط (اگر دیوار نے چاہا) اور (اسی طرح جب) کسی بھی ایسی چیز وذات کو ذکر کیا جس کی چاہت معلوم نہ ہو سکتی ہو تو جب وہ جملہ متصل ہو گا تو طلاق نہ ہو گی اس لیے اس میں نیت کی بھی حاجت نہیں، یہاں تک کہ اگر یہ بلا قصد زبان پر جاری ہو گیا، تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ (فتح القدیر، کتاب الطلاق، فصل فی الاستثناء، ج04، ص120، کوئٹہ)

نوٹ: الفاظ طلاق سے بیوی کا قصد

الفاظ طلاق سے عورت کا قصد کرنا ضروری ہے۔ اگر سبق کی تکرار کرتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے "میری بیوی طلاق والی ہے" لیکن اپنی بیوی کو طلاق دینا مقصود نہیں تھا یا کسی اور طرح حکایت کی اور اپنی بیوی مراد نہیں، تو اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ ردالمحتار میں ہے: "لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها، عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده في الفتح، وحققه في النهر، احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته" ترجمہ: طلاق کے قضاءً اور دیانۃً (دونوں طرح) واقع ہونے کے لیے الفاظ طلاق کا معنی جانتے ہوئے ان الفاظ کی بیوی کی طرف اضافت کا قصد کرنا ضروری ہے، جبکہ اس نے ان الفاظ سے کوئی اور محتمل معنی مراد نہ لیا ہو، جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا اور نہر میں اس کی تحقیق فرمائی۔ اِن صورتوں سے احتراز کرنے کے لیے کہ اگر کسی نے بیوی کی موجودگی میں مسائل طلاق کا تکرار کیا یا کسی کے خط سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ میری بیوی طلاق والی ہے اور اس کو زبان سے بھی دُہرایا، یا کسی دوسرے کی قسم کی حکایت کرتے ہوئے الفاظ کہے تو جب تک یہ اپنی بیوی کا قصد نہ کرے، بالکل بھی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق، باب صریح الطلاق، ج04، ص448، کوئٹہ)

(و) ایک چیز بیچنا چاہتا تھا، غلطی سے کسی دوسری چیز کے متعلق ایجاب کے الفاظ نکل گئے اور اس پر قبول بھی پایا گیا، تو جو ذکر کی ہے قضاءً و دیانۃً ہر طرح اسی کی بیع ہو گی۔ بحر الرائق میں ہے: "ولو أراد أن يقول بعتك هذا بألف فسبق لسانه لغيره فهو على المذكور في القضاء وفيما بينه وبين اللہ تعالى" ترجمہ: اگر یہ کہنے کا ارادہ کیا کہ میں نے تجھے یہ چیز ہزار کی بیچی، پس سبقت لسانی سے کچھ اور نکل گیا تو یہ بیع قضاءً اور دیانۃً دونوں طرح اسی مذکور پر ہو گی۔ (بحر الرائق، کتاب البیع، ج05، ص446، کوئٹہ)

(ز) بات کچھ اور کرنا چاہتا تھا اور زبان سے الفاظ منت نکل گئے، تو منت ہو گئی۔ (ح) ایک دن کے روزے کی منت ماننا چاہتا تھا اور غلطی سے زبان سے ایک سال کا لفظ نکل گیا، تو سال کے روزوں کی منت منعقد ہو گئی۔ فتح القدیر میں ہے: "أراد أن يقول صوم يوم فجرى على لسانه سنة، وكذلك إذ أراد أن يقول كلاما، فجرى على لسانه النذر لزمه لأن هذه النذر جد كالطلاق" ترجمہ: ایک دن کا روزہ کہنے کا ارادہ کیا، لیکن زبان پر (دن کی بجائے) سال کا لفظ آگیا اور اسی طرح جب کوئی بات کرنے کا ارادہ کیا، تو زبان پر منت کے الفاظ جاری ہو گئے تو منت لازم ہو گئی، کیونکہ یہ منت طلاق کی طرح (ہر حالت میں) سنجیدگی (کا حکم رکھتی) ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الصوم، فصل: فیمایوجبہ علی نفسہ، ج02، ص390، کوئٹہ)

(ط) عورت سے کہا: اے مطلّقہ! اے طلاق دی گئی! اے طالِق! اے طلاق شدہ! اے طلاق یافتہ! اے طلاق کردہ! اور کہے میرا مقصود گالی دینا تھا، طلاق دینا نہ تھا، تو قضاء اور دیانۃً دونوں طرح طلاق واقع ہو گئی۔ لیکن اگر یہ کہے کہ میرا مقصود یہ تھا کہ وہ پہلے شوہر کی مطلقہ ہے اور حقیقت میں وہ ایسی ہی ہے (یعنی شوہر اول کی مطلقہ ہے)، تو دیانۃً اس کا قول مان لیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ عورت پہلے کسی کی منکوحہ تھی ہی نہیں یا تھی مگر اُس نے طلاق نہ دی تھی، بلکہ مر گیا ہو، تو دیانۃً بھی یہ تاویل نہیں مانی جائے گی۔ یونہی اگر کہا: تیرے شوہر نے تجھے طلاق دی، تو بھی وہی حکم ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "رجل قال لامرأته يا مطلقة إن لم يكن لها زوج قبل أو كان لها زوج لكن مات ذلك الزوج ولم يطلق وقع الطلاق عليها وإن كان لها زوج قبله وقد كان طلقها ذلك الزوج إن لم ينو بكلامه الإخبار طلقت وإن قال عنيت به الإخبار دين فيما بينه وبين الله تعالى وهل يدين في القضاء اختلفت الروايات فيه والصحيح أنه يدين ولو قال نويت به الشتم دين فيما بينه وبين الله تعالى لا في القضاء" ترجمہ: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اے طلاق یافتہ، اگر اس عورت کی پہلی کوئی شادی نہیں ہوئی تھی یا شادی ہوئی تھی، لیکن اس کا شوہر فوت ہو گیا تھا، اس نے طلاق نہیں دی تھی تو ان الفاظ سے اس عورت پر طلاق واقع ہو گئی اور اگر اس کی پہلے شادی ہوئی تھی اور اُس شوہر نے اسے طلاق دی تھی، لیکن اِس نے اپنے کلام سے خبر دینے کی نیت نہیں کی تو بھی طلاق ہو گئی اور اگر یہ کہے کہ میں نے اس کلام سے خبر دینے کی نیت کی تھی، تو دیانۃً اس کی بات معتبر ہے، لیکن کیا قضاء اس کی بات معتبر ہے؟ تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ یہ صرف دیانۃً معتبر ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے گالی کی نیت کی، تو دیانۃً اس کی بات معتبر ہے، قضاء معتبر نہیں ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الفصل الاول فی صریح الطلاق، ج01، ص355، کوئٹہ)

نوٹ

زبان سے نیت کی شرعی حیثیت

تمام عبادات میں صرف دل کی نیت کا اعتبار ہے، تلفظ شرط نہیں ہے۔ ہاں دل میں ہوتے ہوئے زبان سے اس کا تلفظ کرنے کو عامہ کتب حنفیہ میں مستحب قرار دیا گیا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: "عامہ کتب میں جواز تلفّظ بہ نیت بلکہ اس کے استحباب کی تصریح فرمائی۔ دُرِ مختار میں ہے "التلفظ بها مستحب هو المختار وقيل سنة يعني احبه السلف او سنة علمائنا" ترجمہ: نیت زبان کے ساتھ کرنا مستحب ہے، مختار قول یہی ہے۔ بعض نے سنّت کہا یعنی اسے اسلاف پسند کرتے تھے یا ہمارے علماء کا طریقہ ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج06، ص46، رضا فاونڈیشن، لاہور)

مستثنیات

ہاں بعض مقامات پر صرف دل کی نیت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ الفاظ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

(الف) منت

منت کے لیے الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر الفاظ کے محض نیت سے منت واقع نہیں ہوتی۔ التحقیق الباہر میں ہے: "قال فی الخلاصۃ: اذا اراد ایجاب الاعتکاف ینبغی ان یذکر بلسان ولا یکفی بنیۃ القلب" ترجمہ: خلاصہ میں فرمایا: جب اعتکاف واجب کرنے کا ارادہ کرے، تو لازم ہے کہ زبان سے الفاظ ذکر کرے، صرف دل کی نیت کافی نہیں ہے۔ (التحقیق الباہر، ج01، ص203، مخطوطہ)

(ب) وقف

وقف کے لیے بھی الفاظ ہونا ضرور ہے۔ در مختار میں ہے: "ورکنہ الألفاظ الخاصۃ" ترجمہ: اس کا رکن خاص الفاظ ہیں۔

(الدر المختار، کتاب الوقف، ج06، ص521، کوئٹہ)

(5) نیت کا وقت

نیت کا وقت عبادت کی ابتدا ہے یعنی عبادت کی ادائیگی کے ساتھ مقارنت (یعنی نیت کا ملا ہونا) شرط ہے۔ اس مقارنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقی۔ (۲) حکمی۔

(۱) حقیقی یہ ہے کہ اس عمل کے شروع کرتے وقت نیت کی جائے، مثلاً نماز میں تکبیر کہتے وقت۔

(۲) اور حکمی یہ ہے کہ عمل کے شروع کرنے کے وقت سے پہلے نیت کی جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ نیت اور عمل کے درمیان منوی (جس عمل کی نیت کی جا رہی ہے، اس) کے منافی کوئی عمل نہ کیا جائے۔

(۱) مقارنتِ حقیقی نیت میں افضل ہے، لیکن اگر حقیقی نہ ہوئی، حکمی پائی گئی، تب بھی عبادت درست ہو جائے گی۔

(۲) مقارنت حکمی کی تفصیل

مختلف عبادات میں مقارنت حکمی کس طرح پائی جائے گی، اس کی تفصیل:

(الف) نماز میں مقارنت حکمی

اگر کسی نے وضو کرتے وقت نماز کی نیت کی اور نماز شروع کرتے وقت نیت نہیں کی، لیکن نیت کرنے اور نماز شروع کرنے کے دوران کوئی منافی نماز کام نہیں کیا، تو اس کی نیت درست ہو جائے گی۔

یہ یاد رہے کہ یہاں منافی نماز کام سے مراد وہ کام ہے کہ جو نماز سے اعراض پر دلالت کرتا ہو۔ لہذا نیت کرنے کے بعد نماز کے لیے چلنا منافی شمار نہیں ہو گا۔ ہاں کھانا، پینا اور گفتگو کرنا وغیرہ یہ کام منافی شمار ہوں گے۔

(ب) نیت اقتدا میں مقارنت حکمی

نیتِ اقتدا کو بھی اسی شرط کے ساتھ مقدم کرنا، جائز ہے کہ نیت اور اقتدا کے درمیان کوئی اجنبی و منافی فاصل نہ ہو، لہٰذا امام جس وقت مقامِ امامت پر گیا، اس وقت مقتدی نے اقتدا کی نیت کرلی، اگرچہ بوقت تکبیر نیت حاضر نہ ہو، اقتدا صحیح ہے۔ہاں افضل یہ ہے کہ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نیت اقتدا کرے۔

(ج) نیت امامت میں مقارنت حکمی

امام کے لیے عمومی حالات میں نیت امامت کرنا، مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔یعنی اگر امام نے امامت کی نیت نہ بھی کی تو مقتدی اس کی اقتدا کر سکتا ہے، بلکہ اگر صراحتاً نفی کر دے کہ میں فلاں کا امام نہیں، تب بھی فلاں اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ہاں ثواب امامت کے حاصل کرنے کے لیے نیت امامت ضروری ہے کہ اگر نیت امامت نہ کی، تو امامت کا ثواب نہیں ملے گا۔

مگر ایک صورت میں صحتِ اقتدا کے لیے بھی نیت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت مرد کے محاذی (برابر) ہے اور جنازے کے علاوہ کوئی اور نماز ہے، تو ایسی صورت میں عورت کی نماز درست ہونے کے لیے اس کا امام ہونے کی نیت ضروری ہے۔

پس امامت کے لیے دو حالتیں ہیں: (۱) ایک ثوابِ امامت، (۲) اور دوسری صحتِ اقتدا۔

(۱) امامت کا ثواب حاصل کرنے والی نیت، امامت کرتے وقت بھی کر سکتا ہے، اگرچہ کسی انسان نے ابھی اس کی اقتدا نہیں کی اور کسی انسان کے اقتدا کرنے کے وقت بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) جبکہ صحتِ اقتدا (یعنی عورت کی نماز کے درست ہونے) کے لیے جو امامت کی نیت ہے، وہ شروعِ نماز کے وقت ضروری ہے۔ اگر شروع میں نیت نہ کی، تو عورت کی نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ بعد شروع نیت کر بھی لے۔

(نوٹ)

عبادت شروع کرنے کے بعد نیت

اوپر یہ ذکر ہوا کہ نیت کا وقت عبادت شروع کرنے سے پہلے ہے، لہٰذا عبادت شروع کرنے کے بعد نیت کی تو نیت درست نہیں ہوگی۔

استثنائی صورتیں

ہاں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جہاں عبادت شروع ہو جانے کے بعد نیت کی جائے، تو درست ہو جاتی ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) رمضان کے ادا روزے (ب) اور نذر معین کے روزے (ج) اور نفل روزے، ان تمام میں صبح صادق کے بعد سے لے کر ضحوہ کبریٰ سے پہلے تک بھی نیت کی جا سکتی ہے۔

(د) اسی طرح زکاۃ اور صدقہ فطر میں اگر فقیر کو دیتے وقت تک کسی طرح نیت نہ پائی گئی، تو رقم جب تک فقیر کی ملک میں باقی ہو اس وقت تک نیت کی جا سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: "(وينوي الصلاة التي يدخل فيها بنية لا يفصل بينها وبين التحريمة بعمل) والأصل فيه قوله - عليه الصلاة والسلام - «الأعمال بالنيات» ولأن ابتداء الصلاة بالقيام وهو متردد بين العادة والعبادة ولا يقع التمييز إلا بالنية، والمتقدم على التكبير كالقائم عنده إذا لم يوجد ما يقطعه وهو عمل لا يليق بالصلاة ولا معتبر بالمتأخرة منها عنه لأن ما

مضی لا یقع عبادة لعدم النیة، وفي الصوم جوزت للضرورة"ترجمہ: جس نماز کو شروع کر رہا ہے اس کی نیت کرے اور نیت و تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فاصلہ نہ کرے اور اس میں اصل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور اس لیے کہ نماز کی ابتدا قیام کے ساتھ ہے اور قیام عادت اور عبادت میں متردد ہے اور فرق صرف نیت سے ہو سکتا ہے اور تکبیر سے پہلے نیت کرنا تکبیر کے وقت کھڑے ہونے کی طرح ہی ہے، جب کہ کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جو اس کو ختم کرنے والا ہو اور اس سے مراد ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد کی نیت معتبر نہیں ہے، کیونکہ جو عمل پہلے ہو چکا وہ (پہلے) نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہو گا اور روزے میں ضرورت کی وجہ سے اجازت دی گئی ہے۔

اس کے تحت عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:" (والمتقدم علی التکبیر کالقائم عنده) إذا لم یوجد ما یقطعه، وهو عمل لا یلیق بالصلاة، وهذا علی سبیل الجواز، فإنه روي عن محمد أنه لو نوی عند الوضوء أنه یصلي الظهر أو العصر مع الإمام ولم یشتغل بعد النیة بما لیس من جنس الصلاة إلا أنه لما انتهی إلی مکان الصلاة لم تحضره النیة جازت صلاته بتلک النیة، وأما الأفضل فأن تکون مقارنة للشروع ولا یکون شارعا بنیة متأخرة۔۔۔ وقوله: (لأن ما مضی) یعني من الأجزاء (لا یقع عبادة لعدم النیة) والأجزاء الباقیة مبنیة علیه فلم یجز، بخلاف الصوم فإن النیة فیه جوزت متأخرة عن أول جزئه للضرورة؛ لأن ذلک وقت نوم وغفلة، فلو شرطت النیة وقت الشروع وهو وقت انفجار الصبح لضاق الأمر علی الناس، وأما الصلاة فإنها یبدأ بها في وقت انتباه ویقظة فلا ضیق في اشتراط النیة عنده "ترجمہ: اور تکبیر سے پہلے نیت کرنا تکبیر کے وقت کھڑے ہونے کی طرح ہی ہے جب کہ کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جو اس کو ختم کرنے والا ہو اور اس سے مراد ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو اور یہ حکم بطور جواز ہے۔ بے شک حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وضو کے وقت اس نے نیت کی کہ وہ ظہر یا عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھے گا اور نیت کے بعد کسی ایسے عمل میں مشغول نہیں ہوا جو نماز کی جنس سے نہ ہو اور پھر جب وہ نماز کی جگہ پہنچا، تو نیت اس کے ذہن میں حاضر نہیں تھی، تو اس کی نماز اسی نیت سے درست ہو گئی۔ ہاں البتہ افضل یہ ہے کہ نیت شروع کرنے کے ساتھ ملی ہو اور بعد میں کی جانے والی نیت سے تو شروع کرنے والا ہی نہیں ہو گا۔ ان کا قول کیونکہ جو گزر گیا یعنی کچھ حصہ وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہو گا اور باقی اجزاء اسی پر مبنی ہیں، لہٰذا وہ بھی جائز نہیں، بر خلاف روزے کے کہ اس میں ابتدائی حصے سے مؤخر نیت بھی ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دی گئی، کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، پس اگر شروع کے وقت میں نیت کی شرط لگادی جائے اور وہ خاص صبح صادق کے طلوع کا وقت ہے، تو لوگوں کے لیے معاملہ تنگ ہو جائے گا اور بہر حال نماز کی ابتدا متنبہ ہونے اور بیداری کے وقت میں ہوتی ہے، تو اس وقت نیت کو شرط قرار دینے میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

(العنایۃ علی ہامش فتح القدیر، باب شروط الصلوۃ، ج 01، ص 272، کوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:" مثال المقارنة حقیقة أن ینوي مقارنا للشروع بالتکبیر وهو الأفضل بإجماع أصحابنا۔۔۔ مثال المقارنة الحکمیة أن یقدم النیة علی الشروع قالوا لو نوی عند الوضوء أنه یصلي الظهر مثلا ولم یتشغل بعد النیة بعمل یدل علی الأعراض کأکل وشرب وکلام ونحوها ثم انتهی إلی محل الصلاة ولم تحضره النیة جازت صلاته بالنیة السابقة "ترجمہ: حقیقی طور پر ملے ہونے کی مثال یہ ہے کہ وہ اس طرح نیت کرے کہ نیت تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرنے کے ساتھ ملی ہو اور ہمارے اصحاب کے

اجماع کے ساتھ یہی افضل ہے اور حکمی طور پر ملے ہونے کی مثال یہ ہے کہ وہ شروع کرنے سے پہلے نیت کرلے۔ علمانے فرمایا: اگر اس نے وضو کے وقت نیت کی کہ وہ مثال کے طور پر ظہر کی نماز پڑھے گا اور نیت کے بعد کسی ایسے عمل میں مشغول نہیں ہوا، جو اعراض پر دلالت کرتا ہو جیسے کھانا، پینا اور گفتگو وغیرہ پھر وہ نماز کی جگہ پر پہنچا اور اس وقت نیت اس کے ذہن میں حاضر نہیں تھی، تو اس کی نماز اس پہلی نیت کے ساتھ ہی درست ہو گئی۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، باب شروط الصلاۃ، ص 175، کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے: " ولو نوى الاقتداء حين وقف الإمام موقف الإمامة تجوز نيته عند عامة العلماء وبه كان يفتي الشيخ الإمام الزاهد إسماعيل والحاكم عبد الرحمن الكاتب وهو أجود. كذا في المحيط "ترجمہ: اگر امام کے امامت کی جگہ کھڑے ہونے کے وقت اقتدا کی نیت کی تو اکثر علما کے نزدیک اس کی نیت جائز ہے اور اسی پر شیخ امام زاہد اسماعیل اور حاکم عبد الرحمن کاتب فتوی دیتے تھے اور یہی عمدہ ہے، اسی طرح محیط میں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، الباب الثالث، الفصل الرابع فی النیۃ، ج 01، ص 66، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے: " والإمام ينوي ما ينوي المنفرد ولا يحتاج إلى نية الإمامة حتى لو نوى أن لا يؤم فلانا فجاء فلان واقتدى به جاز. هكذا في فتاوى قاضي خان ولا يصير إماما للنساء إلا بالنية. هكذا في المحيط. "ترجمہ: امام وہ نیت کرے جو تنہا پڑھنے والا کرتا ہے اور اسے امامت کی نیت کرنے کی حاجت نہیں ہے، حتی کہ اگر اس نے نیت کی کہ وہ فلاں کا امام نہیں ہے، پس وہ شخص آیا اور اس نے اس کی اقتدا کی، تو اس کی نماز درست ہو گی۔ اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے۔ البتہ یہ عورتوں کا امام نیت کے ساتھ ہی ہو گا، اسی طرح محیط میں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، الباب الثالث، الفصل الرابع فی النیۃ، ج 01، ص 66، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: " (والإمام ينوي صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدي) بل لنيل الثواب عند اقتداء أحد به لا قبله كما بحثه في الأشباه---- فإن اقتدت به) المرأة (محاذية لرجل في غير صلاة جنازة، فلا بد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها) "ترجمہ: امام فقط اپنی نماز کی نیت کرے گا اور اقتدا درست ہونے کے لیے اس کا مقتدیوں کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے بلکہ یہ نیت ثواب کے حصول کے لیے ہے اور یہ اس وقت کرے جب کوئی اس کی اقتدا کرے، نہ کہ اس سے پہلے جیسا کہ اشباہ میں اس کی بحث فرمائی۔ پس اگر کسی ایسی عورت نے اس کی اقتدا کی جو نماز جنازہ کے علاوہ کسی نماز میں مرد کے محاذی ہو، تو اس عورت کی نماز درست ہونے کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله بل لنيل الثواب) معطوف على قوله لصحة الاقتداء أي بل يشترط نية إمامة المقتدي لنيل الإمام ثواب الجماعة، وقوله عند اقتداء أحد به متعلق بنيته التي هي نائب فاعل يشترط المقدر بعد، بل وقوله لا قبله معطوف عليه: أي لا يشترط لنيله الثواب نية الإمامة قبل الاقتداء، بل يحصل بالنية عنده أو قبله، فقوله لا قبله نفي لاشتراط نيل الثواب بوجود النية قبله لا نفي للجواز ولا يخفى أن نفي الاشتراط لا ينافي الجواز فافهم ---- (قوله من نية إمامتها) أي وقت الشروع، لا بعده كما سيذكره في باب الإمامة. "ترجمہ: ان کا قول: بلکہ ثواب کے حصول کے لیے، اس کا عطف ان کے قول لصحۃ الاقتداء پر ہے یعنی بلکہ مقتدیوں کی امامت کی شرط اس لیے ہے کہ امام کو جماعت کا ثواب حاصل ہو۔ ان کا قول: "عند اقتداء احد بہ" "نیت" کا متعلق ہے اور "نیت" اس یشترط کا نائب فاعل ہے، جو بل کے بعد مقدر ہے۔ اور ان کا قول: "لا قبلہ" معطوف علیہ ہے یعنی ثواب کے

حصول کے لیے اقتدا سے قبل امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ اقتدا کے وقت یا پہلے دونوں صورتوں میں نیت کرنے سے ثواب مل جائے گا، لہٰذا ان کا قول: "لا قبلہ" ثواب کے لیے نیت کے پہلے پائے جانے کی شرط ہونے کی نفی کے لیے ہے، جواز کی نفی کے لیے نہیں ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ شرط ٹھہرانے کی نفی جواز کے منافی نہیں ہے، تو اسے سمجھ لو۔ ان کا قول: عورت کی امامت کی نیت یعنی شروع کے وقت نہ کہ اس کے بعد جیسا کہ اسے عنقریب باب الامامۃ میں ذکر کیا جائے گا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، باب شروط الصلوۃ، ج02، ص129-128، کوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: " وينبغي أن يكون وقت نية الإمامة عند الشروع وإن لم يقتد به أحد لأنه قد يقتدي به من لا يراه من الملائكة والجن أفاده الحموي "ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ امامت کی نیت شروع کے وقت کرلے، اگرچہ کسی نے اس کی اقتدا نہ کی ہو، کیونکہ کبھی فرشتے اور جن جو دکھائی نہیں دیتے، وہ اس کی اقتدا کرلیتے ہے، علامہ حموی نے اس کا افادہ فرمایا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، باب شروط الصلاۃ، ج01، ص175، کراچی)

(د) زکوۃ میں مقارنت کی تفصیل

(۱) زکوۃ میں مقارنت حقیقی تو یہ ہے کہ شرعی فقیر کو دیتے وقت زکوۃ کی نیت کی جائے۔

(۲) اور مقارنت حکمی کی صورتیں درج ذیل ہیں:

(الف) مال زکوۃ دوسرے مال سے الگ کرتے وقت زکاۃ کی نیت کی، فقیر کو دیتے وقت دوبارہ نیت نہ کی۔ (ب) وکیل کو دیتے وقت زکوۃ کی نیت کی اور فقیر کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت نہ کی۔ (ج) فقیر شرعی کو رقم بغیر زکوۃ کی نیت کے دے دی اور ابھی اس کی ملکیت میں مال موجود ہے، تو اس وقت زکوۃ کی نیت کرنا بھی مقارنت حکمی ہے۔ ان تمام صورتوں میں زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے: "(وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير، أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية۔۔۔ (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء" ترجمہ: زکاۃ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے ایسی نیت شرط ہے جو ادائیگی کے ساتھ ملی ہو، اگرچہ یہ ملنا حکمی طور پر ہو۔ جیسے اگر بغیر نیت کے مال دے دیا، پھر زکوۃ کی نیت کرلی، جبکہ مال ابھی فقیر کے ہاتھ میں موجود ہو یا وکیل کو دیتے وقت نیت کی، پھر وکیل نے بلا نیت دیا یا نیت کل واجب زکاۃ یا بعض کو دوسرے مال سے جدا کرنے سے ملی ہو اور صرف جدا کرلینے سے بری الذمہ نہ ہوگا، بلکہ فقیر کو دینے سے بری الذمہ ہوگا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله مقارنة) هو الأصل كما في سائر العبادات، وإنما اكتفي بالنية عند العزل كما سيأتي لأن الدفع يتفرق فيتخرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بذلك للحرج بحر، والمراد مقارنتها للدفع إلى الفقير، وأما المقارنة للدفع إلى الوكيل فهي من الحكمية كما يأتي ط "ترجمہ: ان کا قول ملا ہونا، یہی اصل ہے، جیسا کہ باقی عبادات میں ہے اور بے شک جدا کرتے وقت کی نیت کافی ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، کیونکہ دینا متفرق (یعنی مختلف اوقات میں) ہوتا ہے، تو ہر دینے کے وقت نیت ذہن میں حاضر نہیں رہتی، لہٰذا حرج کی وجہ سے وہ نیت ہی کافی ہے، بحر۔ ادائیگی کے ساتھ ملے ہونے سے مراد فقیر کو دینے سے ملا ہونا ہے، بہر حال وکیل کو دینے سے ملا ہونا تو یہ حکمی کی ایک صورت ہے جیسا کہ آئے گا، ط۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج03، ص222 تا225، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "(قولہ: زمن) هو أول العبادات ولو حكما؛ كما لو نوى الصلاة في بيته ثم حضر المسجد وافتتح الصلاة بتلك النية بلا فاصل يمنع البناء، وكنية الزكاة عند عزل ما وجب، ونية الصوم عند الغروب، والحج عند الإحرام "ترجمہ:ان کا قول نیت کا وقت:اس سے مراد عبادت کی ابتدا ہے،اگرچہ ابتداء حکمی ہو، جیسے اگر اپنے گھر میں نماز کی نیت کی، پھر مسجد آیا اور بغیر کسی ایسے فاصل کے جو بنا سے مانع ہو اسی نیت سے نماز شروع کرلی اور جیسے واجب مقدار کو جدا کرنے کے وقت زکاۃ کی نیت اور غروب کے وقت روزے کی نیت اور احرام کے وقت حج کی نیت۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، باب سنن الوضوء، ج01، ص240، کوئٹہ)

(ہ)صدقہ فطر میں مقارنت کی تفصیل

صدقہ فطر میں مقارنت کی وہی تفصیل ہے، جو زکاۃ میں ہے۔ التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر میں ہے:"واما زكاة الفطرفكالزكاة نية اى فيشترط لصحتهاالنية ولابدان تكون مقارنة للاداءاولعزل ماوجب فيجوزتقديمهاعلى الاداء۔۔۔ويجوزتاخيرهاعن الاداءان كانت قائمة فى يدالفقيروالافلا۔"ترجمہ:نیت کے اعتبار سے صدقہ فطر زکاۃ کی طرح ہے،یعنی اس کے درست ہونے کے لیے نیت شرط ہے اور اس نیت کا ادائیگی کے ساتھ یا واجب مقدار کو جدا کرنے کے ساتھ ملا ہونا ضروری ہے۔لہٰذا اسے ادائیگی سے مقدم کرنا، جائز ہے اور ادائیگی سے مؤخر کرنا اس صورت میں جائز ہے، جب مال فقیر کے ہاتھ میں ہو، ورنہ جائز نہیں۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص182، مخطوطہ)

روزے میں مقارنت کی تفصیل

(۱)روزے میں مقارنت حقیقی تو یہ ہے کہ روزے کا وقت شروع ہوتے وقت، یعنی صبح صادق طلوع ہوتے وقت، نیت کی جائے۔

(۲)اور مقارنت حکمی کی صورتیں یہ ہیں:

(الف)غروب آفتاب کے بعد رات کو نیت کی جائے۔ یہ دو صورتیں تمام روزوں میں ہو سکتی ہیں، (ب)اور ایک صورت یہ ہے کہ روزے کا وقت داخل ہو جانے کے بعد، یعنی صبح صادق کے بعد اور ضحوہ کبری سے پہلے پہلے نیت کی جائے۔ یہ صرف رمضان کے ادا روزے، نفل روزے اور نذر معین کے روزے میں ہو سکتی ہے۔

در مختار میں ہے: "(فيصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل) فلا تصح قبل الغروب ولا عنده (إلى الضحوة الكبرى لا) بعدها ولا (عندها)۔۔۔(والشرط للباقي) من الصيام قران النية للفجر ولو حكما وهو (تبييت النية) للضرورة (وتعيينها)"ترجمہ: پس ماہ رمضان، نذر معین اور نفل کے روزے کی ادائیگی رات سے ضحوہ کبری تک کی نیت کے ساتھ درست ہے، لہٰذا غروب آفتاب سے پہلے اور غروب کے وقت کی نیت سے درست نہیں ہے، نیز ضحوہ کبری کے بعد اور ضحوہ کبری کے وقت کی نیت سے بھی درست نہیں ہے اور باقی روزوں کے لیے نیت کا فجر کے ساتھ ملا ہونا شرط ہے، اگرچہ حکما ہو اور وہ رات کے وقت نیت کرنا ہے، کیونکہ اس سے لازمی طور پر فجر کے وقت نیت پائی جائے گی اور اس روزے کو معین کرنا شرط ہے۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج03، ص393 تا398، کوئٹہ)

نوٹ

اوپر مذکور ہوا کہ عبادت میں نیت کا وقت اس کی ابتدا ہے، چنانچہ مختلف عبادات میں ابتدا کی وضاحت پیش کی جاتی ہے

(الف) وضو میں نیت کا وقت

وضو میں نیت کا وقت وضو کی ابتدا یعنی وضو کی تمام سنتوں سے پہلے ہے۔ در مختار میں ہے: "في القهستاني: ومحلها قبل سائر السنن كما في التحفة، فلا تسن عندنا قبيل غسل الوجه، كما تفرض عند الشافعي." ترجمہ: قہستانی میں ہے: نیت کا محل تمام سنن سے پہلے ہے، جیسا کہ تحفہ میں ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک چہرہ دھونے سے کچھ دیر پہلے سنت نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "قال في [إمداد الفتاح]: وأما وقتها فعند ابتداء الوضوء حتى قبل الاستنجاء اهـ أي لأن الاستنجاء من سنن الوضوء بل من أقوى سننه كما صرحوا به۔۔۔ (قوله: فلا تسن إلخ) حاصله أنه ليس محل سنيتها عندنا هو محل فرضيتها عند الشافعي الذي هو قبيل غسل الوجه" ترجمہ: امداد الفتاح میں فرمایا: بہر حال نیت کا وقت تو وہ وضو کی ابتدا کا وقت ہے، حتی کہ استنجا سے پہلے۔ انتہی۔ یعنی اس لیے کہ استنجا وضو کی سنتوں میں سے ہے، بلکہ وضو کی سنتوں میں سے سب سے قوی سنت ہے۔ جیسا کہ علما نے اس کی صراحت کی ہے۔ ان کا قول پس سنت نہیں ہے الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک نیت کے فرض ہونے کا جو محل ہے، وہ ہمارے نزدیک اس کے سنت ہونے کا محل نہیں ہے اور وہ مقام چہرہ دھونے سے کچھ دیر پہلے ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، باب سنن الوضوء، ج 01، ص 239 تا 240، کوئٹہ)

(ب) غسل میں نیت کا وقت

فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ سنتوں کے معاملے میں غسل، وضو کی طرح ہے۔ لہٰذا جس طرح وضو میں نیت کا وقت تمام سنتوں سے پہلے ہے، اسی طرح غسل میں بھی اس کی تمام سنتوں سے پہلے ہے۔ التحقیق الباہر مع الاشباہ والنظائر میں ہے: "وقالوا الغسل كالوضوء في السنن المعتبرة فيه فتكون النية فيه اول السنن" ترجمہ: علما نے فرمایا: وضو میں معتبر سنتوں کے معاملے میں غسل وضو کی طرح ہے، لہٰذا غسل میں نیت پہلی سنت ہے۔ (التحقیق الباہر، ج 01، ص 185، مخطوطہ)

(ج) تیمم میں نیت کا وقت

تیمم میں نیت کا وقت تیمم کی ابتدا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے:

(الف) تیمم میں زمین یا جنسِ زمین پر ہاتھ مارتے وقت تیمم کی نیت کرے گا۔ (ب) اگر اس کے ہاتھ پر بقدر کفایت مٹی لگی ہوئی ہے، یوں کہ وہ خود بخود اُڑ کر لگ گئی یا بغیر نیتِ تیمم ہاتھ مٹی پر پھیرنے کی وجہ سے لگی، تو اب اعضا پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کرے گا۔ (ج) یونہی اگر مٹی اُڑ کر خود بخود اعضا تیمم پر لگ گئی، تو اب ان پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کرے گا۔ (د) یا مٹی اُڑ رہی ہے اور یہ اپنے اعضا تیمم اس میں ڈال کر تیمم کرنا چاہتا ہے، تو اب وہاں اعضا تیمم ڈالتے وقت نیت کرے گا۔ غرض یہ کہ تیمم میں نیت کا وقت تیمم کی ابتدا ہے۔

نورالایضاح میں ہے: "ووقتها عند ضرب يده على ما يتيمم به" ترجمہ: اس کا وقت ہاتھوں کو اس چیز پر مارنے کے وقت ہے جس سے تیمم کرے گا۔

اس کے تحت مراقی الفلاح میں ہے:"أوعند مسح أعضائه بتراب أصابها"ترجمہ: یا ہاتھوں پر لگی مٹی سے اعضا کا مسح کرنے کے وقت ہے۔ (نورالایضاح مع مراقی الفلاح، باب التیمم، ص77، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر میں ہے:"والنية في التيمم وهي وان كانت شرطاللصحة فيه ايضاشرط للثواب فيه فيكون وقتها اول السنن الاان سننه من نحو التسمية ثم الاقبال والادبار ثم مسح اليد اليمنى ثم اليسرى لما لم تكن مقدمة على الوضع بل مقارنة له او متاخرة عنه،قال ينوى عند الوضع اى ضرب اليد على الصعيد هو كل ما كان من جنس الارض" ترجمہ: تیمم میں نیت اگرچہ اس کے درست ہونے کے لیے شرط ہے،(اسی طرح)ثواب کے لیے بھی شرط ہے، لہٰذا اس کا وقت تمام سنتوں سے پہلے ہے، ہاں یہ ہے کہ اس کی جتنی سنتیں ہیں، جیسے بسم اللہ پڑھنا، پھر ہاتھ آگے پیچھے کرنا، پھر دائیں ہاتھ پر مسح کرنا، پھر بائیں ہاتھ پر، یہ تمام سنتیں جب ہاتھ زمین پر رکھنے پر مقدم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ پائی جاتی ہیں یا اس کے بعد تو اس لیے فرمایا کہ ہاتھ مٹی پر رکھنے یعنی مارنے کے وقت نیت کرے گا اور مٹی سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص185، مخطوطہ)

فتاوی رضویہ میں ہے:"التصق بكفيه تراب كاف للتيمم ونوى الان جاز لصدق قصده الى صعيد طيب للتطهير وكم له في الفروع المارة من نظير"ترجمہ: ہاتھوں پر اتنی مٹی لگ گئی جو تیمم کے لیے کافی ہے اور اب نیت کی تو جائز ہے کیونکہ پاکی حاصل کرنے کے لیے پاک مٹی کی طرف اس کا قصد پایا گیا اور گزشتہ فروع میں اس کی کتنی ہی نظائر موجود ہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج03، ص384، رضا فاونڈیشن، لاہور)

فتاوی بزازیہ میں ہے"ذر على المحل التراب فاصابه غبار اوادخل المحل فى مثار الغبار فوصل بتحريك المحل جاز، لاان وقف فى المهب فثار الغبار على المحل بنفسه الاان يمسح بهذاالغبار المحل"ترجمہ: محل تیمم پر گرد اڑائی، تو غبار اس پر گرا یا اعضائے تیمم کو غبار اڑانے کی جگہ لے گیا اور ان اعضاء کو حرکت دینے سے ان پر گرد پہنچ گئی، تو تیمم ہو جائے گا، لیکن اگر آندھی کے سامنے اس طرح کھڑا ہوا کہ غبار خود اڑ کر اعضائے تیمم پر پہنچا، تو تیمم نہ ہو گا، مگر اس گرد کے ساتھ محل تیمم پر ہاتھ پھیر لیا تو ہو جائے گا۔

(الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ، ج04، ص17، کوئٹہ)

(د) پانی کے بنیت قربت مستعمل ہونے کے لیے نیت کا وقت

پانی استعمال سے مستعمل ہوتا ہے۔ لہٰذا وقتِ استعمال اگر قربت کی نیت کرے گا، تو جیسے ہی جسم سے پانی جدا ہو گا، پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اگر استعمال کے بعد نیت کرے گا، تو مستعمل نہ ہو گا۔

التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر میں ہے:"وامانية الوضوء للتقرب لصيرورة الماء مستعملافوقتهاعندالاغتراف بل عندالصب لان ذلك ابتداء الاستعمال فلونوى بعده لايصير الماء مستعملا"ترجمہ: تقرب کے وضو میں پانی کے مستعمل ہونے کے لیے نیت کا وقت چلو لینے کے وقت، بلکہ بہانے کے وقت ہے، کیونکہ یہ استعمال کی ابتدا ہے، پس اگر اس کے بعد نیت کی تو پانی مستعمل نہیں ہو گا۔

(التحقیق الباھر، ج01، ص186، مخطوطہ)

(ہ) حج و عمرہ میں نیت کا وقت

حج وعمرہ میں نیت ادائیگی سے پہلے ہی ہوتی ہے۔ عین افعال شروع کرتے وقت یا شروع کرنے کے بعد نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان میں افعال شروع کرنے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ احرام نام ہے: نیت اور تلبیہ یا تلبیہ کے قائم مقام کا۔ تو یوں ان کی نیت ان کے افعال شروع کرنے سے پہلے ہی پائی جائے گی۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: " وأما الحج فالنية فيه سابقة على الأداء عند الإحرام، وهو النية عند التلبية، أو ما يقوم مقامها من سوق الهدي فلا يمكن فيه القران والتأخير؛ لأنه لا تصح أفعاله إلا إذا تقدم الإحرام، وهي ركن فيه، أو شرط على قولين."

ترجمہ: بہر حال حج تو اس میں ادائیگی سے قبل احرام کے وقت نیت ہو اور وہ تلبیہ یا اس کے قائم مقام مثلاً ہدی چلانے کے وقت نیت کرنا ہے لہٰذا اس میں نیت کا ساتھ ملا ہونا اور مؤخر ہونا، ممکن نہیں ہے کیونکہ احرام کے مقدم ہوئے بغیر حج کے افعال درست نہیں ہوں گے اور احرام دو مختلف اقوال کے اعتبار سے حج کا رکن یا شرط ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص48، مطبوعہ کراچی)

نوٹ

کیا ایک عبادت کے دوران دوسری عبادت کی نیت ہو سکتی ہے۔

اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ عبادات مختلف اقسام کی ہیں:

(الف) بعض وہ ہیں کہ ان کا وقت اتنا طویل ہے کہ وہ دوسری عبادات پر محیط ہوتا ہے۔ تو ایسی عبادات کے دوران دوسری عبادات کی نیت اوران کی ادائیگی کا درست ہونا بالکل بدیہی ہے۔ مثلاً روزہ اور حج کہ ان کے اوقات طویل ہیں، اوراس دوران دوسری عبادات جیسے نماز وغیرہ کا وقت آتا ہے، لہٰذا روزہ وحج کے دوران نماز کی نیت اورادائیگی درست ہے۔

(ب) اسی طرح ان کے دوران زکاۃ، صدقہ فطر اور کفارات وغیرہ کی نیت اورادائیگی درست ہے۔

(ج) زکاۃ وغیرہ مالی عبادات کی ادائیگی کے دوران روزے کی نیت کی تو یہ بھی درست ہے۔ اسی طرح حج وعمرہ کی نیت مع تلبیہ بھی درست ہے۔

(د) نماز کے دوران جس دوسری عبادت کی نیت کی جائے گی اگر وہ عبادت ایسی ہے کہ اس کی نیت کے لیے اس کے ساتھ کوئی عمل کرنا ضروری نہیں، تو ایسی عبادت کی نیت درست ہو جائے گی۔ جیسے روزے کی نیت۔

اور اگر عمل کرنا ضروری ہے جیسے حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ اور زکاۃ کی نیت کے ساتھ مال کی ادائیگی یا مال زکاۃ کو علیحدہ کرنا تو ایسی عبادت کی نماز کے دوران نیت نہیں ہو سکتی۔

(ہ) ایک نماز کے دوران دوسری نماز کی نیت اگر صرف دل سے یوں کی جائے کہ میں اسی نماز کے ساتھ دوسری نماز کو ادا کرنے لگا ہوں، یہ نیت درست نہیں یا اس پہلی کی جگہ دوسری کو ادا کرنے لگا ہوں، تو یہ نیت درست نہیں ہوگی، کہ اس کے ساتھ عمل یعنی تکبیر کا ملا ہونا ضروری ہے، اور اگر نیت اور عمل یعنی تکبیر دونوں پائے گئے تو اس صورت میں پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔

لیکن اگر یہ نیت ہو کہ اس نماز سے فارغ ہو کر یہ دوسری ادا کروں گا اور اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے لے کر دوسری شروع کرنے تک کوئی منافی نماز فعل نہ پایا گیا، تو دوسری کی نیت درست ہے۔

نوٹ: یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں، جب نیت صرف دل سے کرے، اگر زبان سے نیت کرے گا تو جس نماز میں یہ نیت کرے گا وہ نماز ہی ٹوٹ ہو جائے گی۔

الاشباہ والنظائر میں ہے "هل تصح نية عبادة وهو في عبادة اخرى "ترجمہ: کیا اس وقت عبادت کی نیت درست ہے جب وہ کسی دوسری عبادت میں ہو۔

اس کے تحت التحقیق الباہر میں ہے: "اما العبادات المستطيلة التي تشمل اوقاتها اوقات العبادات الاخرى فالعلم ضروري بصحته كالحج والصوم، واما الزكاة فلو نوى عند الدفع صوم غد صح، واما الصلاة فان كان المنوي فيها ماتصح فيه النية بلا حاجة الى مقارنة عمل من اعماله كالصوم تصح تلك النية فلو نوى في صلاة المغرب مثلا صوم غد من رمضان ولم تحضره النية الى طلوع الفجر صح صومه بتلك النية---وان كان المنوي فيها مايقتضي مقارنة النية بفعل من افعاله كالزكاة والحج فلا تصح نيته، واما اذا نوى صلاة اخرى فيها فان نوى على ان يوديها معها فلا تصح تلك النية وان كانت للانتقال وان كبر للثانية انتقل في المغايرة وبطلت الاولى والا فلا وان نوى ان يوديها بعد الاولى فيصح ان لم يات بعد تمام الاولى بعمل مناف للصلوة كما تقدم "ترجمہ: بہر حال ایسی لمبی عبادات جن کا وقت دوسری عبادات کے اوقات پر مشتمل ہوتا ہے، ان کے صحیح ہونے کا علم تو بدیہی ہے، جیسے حج اور روزہ۔ اگر زکاۃ دیتے وقت کل کے روزے کی نیت کی تو یہ نیت درست ہے۔ اگر نماز میں کسی ایسی عبادت کی نیت کی کہ جس کی نیت درست ہونے کے لیے اس کے اعمال میں سے کسی عمل کے ساتھ نیت کے ملے ہونے کی حاجت نہیں ہے۔ جیسے روزہ تو وہ نیت درست ہے، لہٰذا اگر مثال کے طور پر مغرب کی نماز میں رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی اور طلوع فجر کے وقت نیت حاضر نہیں، تو اُس نیت کے ساتھ ہی روزہ درست ہو گیا اور اگر نماز میں کسی ایسی عبادت کی نیت کی جو یہ تقاضا کرتی ہے کہ نیت اس کے افعال میں سے کسی فعل کے ساتھ ملی ہو جیسے زکاۃ اور حج تو اس کی نیت درست نہ ہوئی۔ جب نماز میں کسی دوسری نماز کی نیت کی تو اگر یہ نیت کی کہ وہ اِس کے ساتھ ہی اُسے ادا کرے گا تو نیت درست نہ ہوئی اور اگر ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہونے کی نیت کی اور دوسری نماز کے لیے تکبیر کہی تو وہ دوسری نماز میں منتقل ہو گیا اور پہلی باطل ہو گئی اور اگر تکبیر نہ کہی تو دوسری میں منتقل نہ ہوا اور اگر یہ نیت کی کہ پہلی کے بعد اُسے ادا کرے گا تو یہ نیت درست ہے، جبکہ پہلی نماز مکمل کرنے کے بعد نماز کے منافی کوئی کام نہ کرے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔ (التحقیق الباہر، ج01، ص189، مخطوطہ)

(6) تمام اجزائے عبادت کی ادائیگی کے وقت نیت کا ہونا ضروری نہیں

نیت کا عبادت کے تمام اجزا کی ادائیگی کے وقت ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا

(الف) اگر کسی نے فرض کی نیت سے نماز شروع کی اور دوران نماز اس نے سمجھا کہ یہ نفل ہے اور نفل کی نیت سے ہی نماز مکمل کی، تو وہ فرض ہی شمار ہو گی۔ (ب) اسی طرح اس کا عکس ہے، کہ اگر کسی نے نفل کی نیت سے نماز شروع کی اور دوران نماز سمجھا کہ یہ فرض ہے اور پھر فرض کی نیت سے ہی نماز مکمل کی، تو یہ نفل ہی ہو گی، فرض نہیں ہو گی۔

(ج) بلکہ اگر کسی نے جانتے بوجھتے بھی دوسری نماز کی نیت کی تو فقط نیت سے دوسری نماز شروع نہیں ہو گی۔ بلکہ وہی نماز شمار ہو گی جس کی نیت سے شروع کی تھی۔ (د) ہاں، اگر دوسری نماز کی نیت کر کے ساتھ میں تکبیر بھی کہے، تو اب دوسری نماز میں داخل ہو جائے گا۔ (ہ) لیکن

اگر اسی نماز کی مثلاً ایک رکعت ادا کی تھی، اب دوبارہ اسی نماز کی نیت کر کے تکبیر کہے گا تب بھی نئے سرے سے نماز شروع نہیں ہو گی۔ لہٰذا جو پہلے ایک رکعت ادا کر چکا وہ باقی رہے گی۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ یہ تمام احکام تب ہیں جبکہ نیت دل سے کرے۔ اگر زبان سے نیت کی تو فقط نیت سے ہی پہلی نماز ختم ہو جائے گی، خواہ اسی نماز کی نیت کرے یا کسی اور نماز کی۔

محیط برھانی میں ہے: "إذا افتتح المكتوبة ثم نسي، فظن أنها تطوع، فصلى على نية التطوع حتى فرغ من صلاته، فالصلاة هي المكتوبة، ولو كان على العكس فالصلاة هي التطوع؛ لأن النية لا يمكن اقترانها بكل جزء من أجزاء الصلاة، فيشترط قرانها بأول جزء الصلاة ففي الفصل الأول المقارن لأول الجزء نية المكتوبة، وفي الفصل الثاني المقارن لأول الجزء نية التطوع" ترجمہ: جب اس نے فرض نماز شروع کی پھر بھول گیا اور گمان کیا کہ یہ نفل ہے پھر اس نے نفل کی نیت سے نماز مکمل کی تو یہ وہی فرض نماز ہے اور اگر اس کے الٹ ہو تو وہی نفل نماز ہو گی، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نیت نماز کے اجزاء میں ہر جز کے ساتھ ملی ہو، لہٰذا اس کو نماز کے اول جز کے ساتھ ملانا شرط قرار دیا جاتا ہے، تو پہلی صورت میں نماز کے اول جز سے فرض کی نیت ملی ہوئی ہے اور دوسری صورت میں نماز کے اول جز سے نفل کی نیت ملی ہوئی ہے۔

(محیط برھانی، کتاب الصلوۃ، الفصل العشرون: قضاء الفوائت، ج02، ص358، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "رجل افتتح المكتوبة فظن أنها تطوع فصلى على نية التطوع حتى فرغ فالصلاة هي المكتوبة ولو كان الأمر بالعكس فالجواب بالعكس. هكذا في فتاوى قاضي خان." ترجمہ: کسی شخص نے فرض نماز شروع کی پھر اسے گمان ہوا کہ یہ نفل ہے تو اس نے نفل کی نیت سے بقیہ نماز مکمل کی تو یہ وہی فرض نماز ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو جواب بھی برعکس ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں اسی طرح ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج01، ص66، کوئٹہ)

المحیط البرھانی میں ہے: "وإذا كبر للتطوع ثم كبر ونوى به الفرض، وصلى فالصلاة هي الفرض ولو كان على العكس، فالصلاة هي التطوع؛ لأنه لما كبّر ونوى الآخر صار داخلاً في الصلاة الأخرى" ترجمہ: جب نفل نماز کے لیے تکبیر کہی پھر فرض کی نیت کر کے دوبارہ تکبیر کہی تو وہ فرض نماز ہے اور اگر اس کے الٹ ہو تو وہ نفل نماز ہے کیونکہ جب دوسری کی نیت کر کے تکبیر کہی تو وہ دوسری نماز میں داخل ہو گیا۔ (المحیط البرھانی، ج02، ص100، کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ولو افتتح الظهر ثم نوى التطوع أو العصر أو الفائتة أو الجنازة وكبر يخرج عن الأول ويشرع في الثاني والنية بدون التكبير ليس بمخرج. كذا في التتارخانية ناقلا عن العتابية. وإذا صلى ركعة من الظهر ثم كبر ينوي الظهر فهي هي ويجتزئ بتلك الركعة هذا إذا نوى بقلبه أما إذا نوى بلسانه وقال: نويت أن أصلي الظهر انتقض ظهره ولا يجتزئ بتلك الركعة. كذا في الخلاصة. ولو كبر للتطوع ثم كبر ينوي به الفرض يصير شارعا في الفريضة. كذا في فتاوى قاضي خان." ترجمہ: اگر ظہر کی نماز شروع کی پھر نفل یا عصر یا فوت شدہ یا جنازہ کی نیت کر کے تکبیر کہی تو وہ پہلی نماز سے نکل گیا اور دوسری نماز شروع کرنے والا ہو گیا اور تکبیر کے بغیر محض نیت (پہلی نماز سے) نکالنے والی نہیں، عتابیہ سے نقل کرتے ہوئے تتارخانیہ میں اسی طرح ہے اور جب ظہر

کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد اسی ظہر ہی کی نیت کرتے ہوئے تکبیر کہی تو وہ وہی نماز ہے اور اس رکعت کے ساتھ ہی یہ نماز کافی ہو جائے گی، یہ اس وقت ہے کہ نیت دل سے کی ہو، اگر نیت زبان سے کی اور کہا کہ میں نے ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی تو اس کی پہلی ظہر کی نماز ٹوٹ گئی اور وہ رکعت کفایت نہیں کرے گی، خلاصہ میں اسی طرح ہے اور اگر نفل کے لیے تکبیر کہی پھر فرض کی نیت کرتے ہوئے دوبارہ تکبیر کہی تو وہ فرض نماز شروع کرنے والا ہو گیا، فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ج01، ص66، کوئٹہ)

(7)نیت میں اخلاص کا بیان

اخلاص کے معانی اوران کا محل

اخلاص کے دو معنی ہیں:

(الف)ایک یہ کہ منوی (جس عمل کی نیت کی جارہی ہے، اس) کے منافی کوئی نیت نہ کی جائے۔ ان معنوں میں اخلاص کا ہونا عبادت کی صحت کے لیے شرط ہے۔

(ب)اور دوسرا معنی یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وہ کام کرنے کی نیت کرنا، ریاوغیرہ کی نیت شامل نہ ہونا۔ ان معنوں میں اخلاص کا عبادت کی صحت کے لیے ہونا شرط نہیں ہے۔ ہاں، ثواب کے حصول کے لیے اس طرح کا اخلاص شرط ہے یعنی اگر اس طرح کا اخلاص نہ ہوا، تو قصد قلبی کے تحقق کی وجہ سے عبادت مقصودہ درست ہو جائے گی، لیکن ریا سے محفوظ نہ ہونے کے سبب اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "الزکاۃ عبادۃ فلا بد فیھا من الإخلاص "ترجمہ: زکوۃ عبادت ہے تو اس میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔

(مجمع الانہر، کتاب الزکاۃ، ج01، ص284، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے: "اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نیّت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی۔۔۔اور نیّت میں اخلاص شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل۔۔۔اور اخلاص کے یہ معنی کہ زکوٰۃ صرف بہ نیّتِ زکوٰۃ وادائے فرض وبجا آوری حکم الٰہی دی جائے، اس کے ساتھ اور کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔" (فتاوی رضویہ، ج10، ص65-66، رضافاونڈیشن، لاہور)

اس سے یہ پتا چلا کہ اخلاص کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ منوی کے منافی کوئی نیت نہ کی جائے اور یہ اخلاص عبادت کی ادائیگی درست ہونے کے لیے شرط ہے۔

جبکہ دوسرا اخلاص ہے کہ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی رضا مقصود نہ ہو، وہ عبادت کی درستی کے لیے شرط نہیں۔ ہاں حصول ثواب کے لیے شرط ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: "الإخلاص شرط للثواب لا للصحۃ "ترجمہ: اخلاص ثواب کے لیے شرط ہے، نہ کہ عبادت صحیح ہونے کے لیے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلوۃ، بحث: النیۃ، ج02، ص111، کوئٹہ)

جیسا کہ فتاوی رضویہ کے درج ذیل جزئیہ میں ہے:

"عمل لوجہ اللہ تعالیٰ نہ ہونے سے اخلاص گیا، اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ کہ نفی صحت۔ ردالمحتار میں ہے " الاخلاص شرط للثواب لا للصحۃ" (اخلاص ثواب کے لئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں) یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے

ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہو جائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا، نہ اشرفی کا مستحق ہو گا۔ در مختار میں ہے "قیل لشخص صل الظهر ولک دینار فصلی بهذه النية ينبغي ان تجزئه ولا يستحق الدينار" (ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو مناسب حکم یہ ہے کہ اس کی نماز جائز قرار پائے گی اور دینار کا مستحق نہ ہو گا۔) اشباہ میں ہے " اما الاجزاء فلما قدمنا ان الرياء لايدخل الفرائض في حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدينار فلان اداء الفرض لايدخل تحت عقد الاجارة" (نماز کو جائز کہنا اس لئے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔)"

(فتاوی رضویہ، ج18، ص557-558، رضا فاونڈیشن، لاہور)

اخلاص کے منافی امور

پس جب ثابت ہوا کہ عبادت کی صحت کے لیے اس عبادت کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، اور اس نیت میں اخلاص، یعنی اس کے منافی کسی امر کی نیت کا نہ ہونا بھی ضروری ہے، تو اس کے مطابق درج ذیل تفصیل ہو گی:

(۱) اگر اس عبادت مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ کی ہی نیت نہ کی اور اس کے منافی کی نیت کی ہو یا اس کے مناسب ولازم کی، تو عبادت درست نہ ہو گی۔

(۲) لیکن اگر عبادت کی نیت کی اور اس کے ساتھ اس کے منافی کسی امر کی بھی نیت کی، تو اس صورت میں بھی عبادت درست نہیں ہو گی۔ (۳) البتہ اگر عبادت کے ساتھ غیر عبادت کی نیت کی، لیکن وہ اس کے منافی نہیں بلکہ اس کے مناسب ولازم ہے، یعنی اگر نیت نہ بھی کی جاتی تو وہ فائدہ حاصل ہو جاتا تھا، تو ایسی صورت میں اس کی نیت منافی امر کی نیت شمار نہیں ہو گی۔ لہذا عبادت درست ہو جائے گی۔

تفریعات

(الف) اگر قربانی کا جانور ذبح کیا، اور اس سے اللہ تعالی کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر خدا کی عبادت بھی مقصود ہو، تو ایسی صورت میں وہ جانور حرام ہو جاتا ہے، اور عبادت درست نہیں ہوتی۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "لو ذبحها اضحية لله تعالى ولغيره لا تجزئه بالاولى وينبغي ان تحرم" ترجمہ: اگر جانور کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کے لیے بطور قربانی ذبح کیا تو یہ بدرجہ اولیٰ کافی نہیں ہو گی اور لازم ہے کہ یہ جانور حرام ہو جائے گا۔ (الاشباہ والنظائر، ص43، مطبوعہ کراچی)

(ب) بلکہ جانور ذبح کرنے میں اللہ تعالی کے نام کے ساتھ غیر خدا کے نام کو شریک کیا، یوں کہ حرف عطف کے ساتھ متصلاً ذکر کیا، تو جانور اس صورت میں بھی حرام ہو جائے گا اور عبادت درست نہ ہو گی۔

بدائع الصنائع میں ذبح کے وقت تسمیہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا: "(ومنها) تجريد اسم الله سبحانه وتعالى عن اسم غيره وإن كان اسم النبي - عليه الصلاة والسلام - حتى لو قال بسم الله واسم الرسول لا يحل؛ لقوله تعالى {وما أهل لغير الله به} [المائدة: 3] ۔۔۔ وقول عبد الله بن مسعود - رضي الله عنهما - جردوا التسمية عند الذبح؛ ولأن المشركين يذكرون مع الله سبحانه وتعالى غيره فتجب مخالفتهم بالتجريد، ولو قال: بسم الله ومحمد رسول الله فإن قال: ومحمد بالجر لا يحل؛ لأنه

أشرک في اسم اللہ عز شأنہ اسم غیرہ "ترجمہ:ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو اس کے غیر کے نام سے جدا (کرکے اکیلے ذکر) کرنا اگرچہ (وہ غیر کا نام) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی نام ہو حتی کہ اگر اس نے کہا: اللہ کے نام اور رسول کے نام کے ساتھ تو وہ جانور حلال نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور وہ جانور حرام ہے جسے اللہ کے علاوہ کسی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ (المائدہ:3) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام ذکر کرو۔ اور اس وجہ سے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو ذکر کرتے تھے تو صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے نام کو ذکر کرکے ان کی مخالفت کرنا واجب ہے اور اگر کہا: بسم اللہ و محمد رسول اللہ تو اگر اسم محمد کو جر کے ساتھ ادا کیا تو وہ جانور حلال نہیں کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر کے نام کو شریک کر دیا۔ (بدائع الصنائع، ج04، ص170، کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے: "والثانیۃ: أن یذکر موصولا علی وجہ العطف والشرکۃ بأن یقول: باسم اللہ واسم فلان، أو یقول: باسم اللہ وفلان. أو باسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فتحرم الذبیحۃ "ترجمہ: دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بطور عطف و شرکت ساتھ ملا کر ذکر کرے جیسے کہے: اللہ کے نام اور فلاں کے نام کے ساتھ یا اللہ اور فلاں کے نام کے ساتھ یا اللہ اور محمد رسول اللہ کے نام کے ساتھ تو وہ جانور حرام ہو گیا۔ (الہدایۃ، ج04، ص435، لاہور)

(ج) اسی طرح اگر قربانی کے شرکا میں سے ایک شریک نیت کا اہل ہی نہ ہو یعنی کافر ہو یا مسلمان تو ہو لیکن اس کا مقصود قربانی نہ ہو، بلکہ صرف گوشت مقصود ہو اور بقیہ کا مقصود قربانی ہو تو اس صورت میں کسی کی قربانی نہیں ہو گی، کیونکہ جب ایک شریک نیت کا اہل نہیں یا اس نے قربانی کی نفی کرکے صرف گوشت کے حصول کی نیت کی، تو عبادت کی نیت نہ پائی گئی، تو اس کی عبادت بھی ادا نہیں ہو گی اور جب ایک کی نہیں ہو گی تو کسی کی بھی نہیں ہو گی۔ کتاب الاصل میں ہے: "وإن کان أحد الشرکاء في البدنۃ کافرا أو مسلما یرید اللحم دون الھدي لم یجزھم "ترجمہ: اور اگر بدنہ میں شریک افراد میں سے ایک کافر ہو یا ایسا مسلمان ہو کہ جس کا مقصود گوشت ہو، نہ کہ ہدی تو یہ کسی کو بھی کفایت نہیں کرے گا۔ (کتاب الاصل، ج02، ص497، کراچی)

(د) اسی طرح قربانی کی کھال کو اپنے اوپر لازم اجرت وغیرہ حق معاوضہ میں دینا مقصود ہو تو جائز نہیں، کہ یہ تمول ہے اور قربانی کی کھال سے تمول جائز نہیں۔ بدائع الصنائع میں ہے: "ولا أن یعطي أجر الجزار والذابح منھا؛ لما روي عن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - أنہ قال «من باع جلد أضحیتہ فلا أضحیۃ لہ» وروي أن النبي - علیہ الصلاۃ والسلام - قال لعلي - رضي اللہ عنہ -: "تصدق بجلالھا وخطامھا، ولا تعطي أجر الجزار منھا" وروي عن سیدنا علي - کرم اللہ وجھہ - أنہ قال: إذا ضحیتم فلا تبیعوا لحوم ضحایاکم ولا جلودھا "ترجمہ: اور وہ قصائی اور ذبح کرنے والے کی اجرت اس میں سے نہ دے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے اپنی قربانی کی کھال بیچی تو اس کی قربانی نہیں ہے۔ اور مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا: اس کی جھول اور نکیل صدقہ کر دو اور قصاب کی اجرت اس میں سے ادا نہ کرنا اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم قربانی کرو تو اپنی قربانیوں کے گوشت اور ان کی کھال مت بیچو۔

(بدائع الصنائع، ج04، ص225، کوئٹہ)

(ہ)اسی طرح قربانی کے گوشت یا کھال کو اپنی زکوۃ کی نیت سے کسی مستحق زکوۃ کو نہیں دے سکتے۔ اگر دی تو فقیر شرعی اس کا مالک ہوجائے گا، لیکن زکاۃ ادانہ ہوگی کہ اپنے ذمہ لازم ہونے والی زکاۃ کے بدلے کھال دینا گویا کھال کو رقم کے بدلے بیچنا ہے اور قربانی کی کھال بیچنا جائز نہیں لہذا یہ بیچنا کالعدم ہوگا تو گویا زکاۃ دی ہی نہیں گئی لہذا زکاۃ ادا بھی نہیں ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے: "وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية "ترجمہ: اور جب زکاۃ کی نیت سے فقیر کو گوشت دیا تو وہ ظاہر الروایہ میں زکاۃ میں شمار نہیں ہوگا۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، ج09، ص543، کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے: "اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ت)۔ یونہی اپنی زکوۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے میں بیع کے معنی میں ہے۔ت) اور اگر دیں گے تو فقیر اس کا مالک ہوجائے گا اور زکوۃ ادا نہ ہوگی"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص493-492، رضافاونڈیشن، لاہور)

(و)اسی طرح زکوۃ کی ادائیگی کرتے وقت اگر اس کے منافی کسی امر کی نیت کی، مثلاً اپنی ذات پر لازم ہونے والی کسی فقیر کی اجرت کی ادائیگی کی نیت بھی ساتھ میں ملالی، تو اس صورت میں زکوۃ کے منافی امر کی نیت پائی گئی، لہذا زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

فتاوی رضویہ میں ہے: "اگر وُہ دینے والے بقصدِ معاوضہ وبطورِ اُجرت دیتے یا نیتِ زکوۃ کے ساتھ یہ نیت بھی ملالیتے تو بیشک زکوۃ ادا نہ ہوتی۔ امّا علی الاوّل فلعدم النیۃ واما علی الثانی فلعدم الاخلاص ولا یکون کنیۃ الحمیۃ مع نیۃ الصوم حیث تجزی لانھا نیۃ لازم لا نیۃ مناف کما افادہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ولا کذلک ما ھنا فان التعویض یبائن التصدق۔ (پہلی صورت (بقصدِ معاوضہ واجرت) میں نیتِ زکوۃ ہی نہیں اور دوسری صورت یعنی (زکوۃ کے ساتھ معاوضہ کی نیت بھی ہو) تو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور اس طرح نہیں جیسے بخار کی بناء پر رخصت کی نیت روزہ کی نیت کے ساتھ کہ یہ جائز ہے کیونکہ نیت اس صورت میں لازم کی نیّت ہے منافی کی نہیں، جیسا کہ مولی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ معاوضہ میں دینا صدقہ کے منافی ہے۔)"
(فتاوی رضویہ، ج10، ص69، رضافاونڈیشن، لاہور)

نوٹ

زکاۃ کی ادائیگی کے ساتھ حق معاوضہ یا غیر حق معاوضہ کی نیت

نیز یہ بات واضح رہے کہ حق معاوضہ کی نیت ساتھ ملائی تو زکوۃ کے منافی کی نیت شمار ہوگی کہ حق معاوضہ نہ دینے کی صورت میں قاضی کے یہاں اس پر مقدمہ ہوسکتا ہے، تو یہ اپنی جان چھڑانے کی نیت کر رہا ہے، جو اخلاص فی العبادت کے منافی ہے۔

مستثنیات

لہذا اگر حق معاوضہ نہیں ہے، جیسے:

(۱) نفقہ اور (۲) سحری میں جگانے والے کا ہدیہ کہ جو بغیر اجرت کے جگاتا ہو، (۳) یا پھل ہدیہ کرنے والے کو ہدیہ؛ تو اگر زکوۃ کی ادائیگی میں نفقہ کی نیت کی، یا ایسے سحری میں جگانے والے، یا پھل ہدیہ کرنے والے کو ہدیہ کی نیت کی، تو ان تمام صورتوں میں زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کہ نفقہ تب لازم آتا ہے جب سامنے والے کو حاجت ہو، یہاں زکوۃ سے حاجت پوری ہو گئی، تو نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

(ز) ہاں اگر قاضی نے نفقہ مقرر کر رکھا ہے، تو ایسی صورت میں نفقہ نہ دینے کی صورت میں قاضی کے یہاں اس پر مقدمہ ہو سکتا ہے اور یہ زکوۃ کی نیت کے ساتھ، نفقہ کی ادائیگی کی نیت کرے، اور اسے نفقہ کی طرف سے بھی شمار کرے، تو اس صورت میں منافی کی نیت شامل ہو گی۔ لہذا زکوۃ ادا نہ ہو گی۔

پس جس مقام پر بھی اپنے آپ سے مقدمہ دور کرنے کی نیت، زکوۃ کی نیت کے ساتھ شامل ہو گی، تو وہاں نیت میں اخلاص نہ ہونے کے سبب زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔

اس کی ایک مثال یہ بیان کی گئی ہے کہ:

(ح) جس کے پاس امانت رکھی گئی اس کی تعدی سے امانت ضائع ہو گئی اور اس پر تاوان لازم آیا۔ جس کی امانت تھی وہ مستحق زکاۃ تھا۔ تو اس نے اسے رقم دی جس میں زکاۃ کی نیت بھی کی اور مقدمہ سے بچنے کے لیے تاوان کی ادائیگی کی نیت بھی کی، تو زکاۃ ادا نہیں ہو گی۔

(ط) البتہ اگر ظاہر میں رقم اتنی ہی دی جتنا نفقہ مقرر ہوا، لیکن اسے نفقہ میں شمار نہیں کیا (یعنی یہ نہ سمجھا کہ نفقہ ادا ہو گیا، اور اب مجھ سے اس کا مطالبہ نہیں ہو گا)، بلکہ صرف زکوۃ کی نیت کی تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

(ی) اسی طرح فقیر شرعی مستحق زکاۃ سے کوئی چیز خریدی اور جتنی قیمت مقرر ہوئی اتنی رقم اسے دی، لیکن اس رقم کو قیمت میں شمار نہ کیا یعنی یہ نہ سمجھا کہ قیمت ادا ہو گئی اب مجھ سے قیمت کا مطالبہ نہیں ہو سکتا بلکہ صرف زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کی تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

فتح القدیر میں ہے: "ولو كان بعضهم في عياله ولم يفرض القاضي النفقة له عليه فدفعها إليه ينوي الزكاة جاز عن الزكاة، وإن فرضها عليه فدفعها ينوي الزكاة لا يجوز لأنه أداء واجب في واجب آخر فلا يجوز إلا إذا لم يحتسبها بالنفقة لتحقيق التمليك على الكمال." "اگر ان میں سے بعض اس کے عیال میں ہوں اور قاضی نے اس پر ان کا نفقہ لازم نہ کیا ہو، پس اس نے ان کو زکاۃ کی نیت سے مال دیا تو زکاۃ ادا ہو گئی اور اگر قاضی نے اس پر نفقہ لازم کیا ہوا ہے پھر اس نے زکاۃ کی نیت کرتے ہوئے دیا تو زکاۃ ادا نہ ہوئی کیونکہ یہ ایک واجب کو دوسرے واجب میں ادا کرنا ہے جو جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ اسے نفقہ میں شمار نہ کرے (تو زکاۃ ادا ہو گئی) کیونکہ کامل طور پر مالک بنانا پایا گیا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الزکاۃ، ج02، ص70، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "مر في أول كتاب الزكاة فيما لو دفع إلى من قضي عليه بنفقته من أنه لا يجزيه عن الزكاة إن احتسبه من النفقة وإن احتسبه من الزكاة يجزيه" ترجمہ: کتاب الزکاۃ کے شروع میں گزرا ہے کہ اگر اس نے زکاۃ اس شخص کو دی جس کا نفقہ اس پر لازم ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے تو اگر وہ اسے نفقہ میں سے شمار کرے تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی اور اگر (صرف) زکاۃ میں سے شمار کرے تو ادا ہو گئی۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الزکاۃ، ج03، ص360، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ، ردالمحتار اور بحر الرائق وغیرہ میں ہے:" وإذا هلكت الوديعة عند المودع فدفع القيمة إلى صاحبها وهو فقير لدفع الخصومة يريد به الزكاة لا يجزيه كذا في فتاوى قاضي خان في فصل أداء الزكاة. "ترجمہ: جب امین کے پاس امانت ہلاک ہوگئی پھر اس نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے مالک کو جو کہ فقیر تھا قیمت بنیت زکاۃ دیدی تو زکاۃ ادا نہ ہوئی، فتاوی قاضی خان میں فصل اداء الزکاۃ میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ج01، ص171، کوئٹہ)

جدالممتار میں ہے:"انما العبرة للنية لكن اذا خلصت لوجه الله تعالى وفى مسالة مهدى الباكورة والنفقة ونظائرهما اذا دفع ونوى الزكاة فلم يشتمل باطنه الاعلى ارادة الزكاة لان عطاء المهدى والمنفق عليه لم يكن فيه غرض لنفسه وذاته فقد خلصت النية وان اراد اظهار العطاء على الهدية اوفى النفقة للعيد، اما ههنا فدفع الخصومة غرض لنفسه فلا بدان يكون مقصودا له بالذات فقد نوى الزكاة والخلاص عن الخصومة جميعا فلم تخلص النية لوجه الله تعالى "ترجمہ: بے شک اعتبار نیت کا ہی ہے، لیکن جب وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، پہلی بار کے پھل ہدیہ کرنے والے اور نفقہ کے مسئلہ میں اور ان جیسے مسائل میں جب مال دیا اور زکاۃ کی نیت کی تو اس کا باطن صرف ارادہ زکاۃ پر مشتمل ہے کیونکہ مہدی (یعنی تحفہ دینے والا) اور جس پر نفقہ کا فیصلہ ہوا، ان کے دینے میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے تو نیت خالص ہوگئی، اگرچہ ہدیہ کے مقابل عطا کے اظہار یا عید کے نفقہ میں دینے کا ارادہ کیا ہو۔ بہر حال اس مسئلہ میں جھگڑے کو ختم کرنا اپنی ذاتی غرض ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ یہ اس کا اصل مقصود ہو پھر اس نے زکاۃ اور جھگڑے دونوں سے نکلنے کی نیت کر لی تو نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوئی۔ (جدالممتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ج04، ص194، مکتبۃ المدینہ)

جدالممتار میں ہے:"لو اشترى من فقير شيئا وادى اليه الثمن ونوى الزكاة لا غير فينبغي ان يجزيه عن الزكاة وان بقيت ذمته مشغولة بالثمن، اما في المهدى والمنفق عليه فالظاهر براءة الذمة ايضا لوصولهما الى غرضهما۔"ترجمہ: اگر فقیر سے کوئی چیز خریدی اور اسے ثمن زکاۃ کی نیت سے ادا کیا، اس کے علاوہ کوئی نیت نہ کی تو مناسب یہ ہے کہ زکاۃ ادا ہو جائے اگرچہ اس چیز کا ثمن اس کے ذمہ پر باقی رہے گا، بہر حال تحفہ دینے والے اور جس پر نفقہ لازم کیا گیا ان دونوں کے معاملہ میں ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں بری الذمہ بھی ہو جائیں کیونکہ یہ دونوں اپنی غرض تک پہنچ گئے۔

"نوى الزكاة" کے تحت امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کا حاشیہ ان الفاظ میں ہے:"اى لم يحتسبه من الثمن بان يظن ان الثمن سقط عنه بهذا فقد كان مريدا اداء الثمن ايضا فلم يبق الاخلاص "ترجمہ: یعنی اس نے اسے ثمن میں سے شمار نہیں کیا، بایں طور کہ وہ گمان کرتا ہو کہ اس کے ذریعے اس سے ثمن ساقط ہو گیا، (اگر اس نے ایسا کیا) تو وہ ثمن کی ادائیگی کا بھی ارادہ کرنے والا ہے لہٰذا اخلاص باقی نہ رہا۔

(جدالممتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ج04، ص192، مکتبۃ المدینہ)

(ک) دشمن یا درندے کے خوف سے بیت اللہ کے گرد چکر لگائے یا اپنے مقروض کو تلاش کرنے کی نیت سے چکر لگائے، طوافِ عبادت کی نیت نہیں کی تو طواف ادا نہیں ہوگا کہ عبادت کی نیت ہی نہ پائی گئی۔ ہاں طواف کی نیت بھی کر لے تو طواف ہو جائے گا کہ یہ (مقروض کو تلاش کرنا وغیرہ) طواف کی نیت کے منافی نہیں ہے۔

(ل)لیکن اگر وقوف عرفہ کے وقت میں مقام عرفہ سے گزرا، مقروض کی تلاش میں یا دشمن یا درندے سے بچنے کی نیت سے اور وقوف عرفہ کی نیت نہیں تھی، تو تب بھی وقوف عرفہ ادا ہو جائے گا۔

طواف اور وقوف عرفہ کے معاملے میں وجہ فرق

دونوں میں فرق یہ ہے کہ طواف عبادتِ مقصودہ ہے، تو اس کی درستی کے لیے اس کی نیت ہونا ضروری ہے۔ جبکہ وقوف عرفہ عبادت کا رکن تو ہے، لیکن عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔ لہذا اس کی درستی کے لیے خاص اس کی نیت ہونا ضروری نہیں ہے۔

محیط برھانی میں ہے: "إذا طاف بالبيت طالباً الغريم، أو هارباً من عدو أو سبع، ولا ينوي الطواف لا يجزىء عن طوافه بخلاف الوقوف بعرفة "جب مقروض کو تلاش کرتے ہوئے یا دشمن یا درندے سے بھاگتے ہوئے بیت اللہ کے چکر لگائے اور طواف کی نیت نہیں کی تو یہ چکر طواف کی طرف سے کفایت نہیں کریں گے بر خلاف وقوف عرفہ کے۔ (محیط برھانی، ج03، ص61، کوئٹہ)

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے: "ولا بد من النية في الطواف ولا يفتقر إلى التعيين حتى لو طاف هاربا من عدو أو سبع أو طالبا لغريم ولا ينوي الطواف لا يجزئه عن طوافه بخلاف الوقوف بعرفة حيث يصح من غير نية والفرق أن الوقوف ركن عبادة وليس بعبادة مقصودة والطواف عبادة مقصودة ولهذا يتنفل به فلا بد من اشتراط النية فيه "ترجمہ: طواف میں نیت ضروری ہے، تعیین کی حاجت نہیں حتی کہ اگر دشمن یا درندے سے بھاگتے ہوئے یا مقروض کو تلاش کرتے ہوئے چکر لگائے اور طواف کی نیت نہیں کی تو یہ طواف کی طرف سے کافی نہیں بر خلاف وقوف عرفہ کے، کیونکہ وہ بغیر نیت کے درست ہو جاتا ہے اور فرق یہ ہے کہ وقوف عبادت کا رکن ہے، خود عبادت مقصودہ نہیں ہے، جبکہ طواف عبادت مقصودہ ہے اسی وجہ سے نفلی طواف بھی ہو سکتا ہے، لہذا اس میں نیت کی شرط لگانا ضروری ہے۔
(الجوھرۃ النیرۃ، ج01، ص384، کراچی)

التحقیق الباھر میں ہے: "وصرحوا ایضافی کتاب الحج بانہ لوطاف طالباغریمہ اوھاربامن عدواوسبع اوابقالایجزیہ عن الطواف لعدم النیۃ ولومع نیۃ الطواف اجزاہ "ترجمہ: علمانے کتاب الحج میں بھی صراحت کی ہے کہ اگر مقروض کو تلاش کرتے ہوئے یا دشمن یا درندے سے بھاگتے ہوئے یا غلام نے آقا سے بھاگتے ہوئے چکر لگائے تو نیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ طواف کی طرف سے کافی نہیں ہیں اور اگر طواف کی نیت کے ساتھ ہوں تو کافی ہیں۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص122، مخطوطہ)

(س)اگر روزہ رکھا اور ساتھ میں پرہیز یا علاج کی نیت بھی کی، تو روزہ درست ہو جائے گا، اس لیے کہ پرہیز یا علاج کی نیت، منافی کی نیت نہیں، بلکہ لازم و مناسب کی نیت ہے اور ایسی نیت سے عبادت کی درستی متاثر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اوپر فتاوی رضویہ میں فتح القدیر کے حوالے سے گزرا۔ نیز التحقیق الباھر میں ہے: "فی فتح القدیر: لونوی الصوم والحمیۃ والتداوی فالاصح الصحۃ لان الحمیۃ والتداوی حاصل قصدہ اولا، فلم یجعل قصدہ تشریکاللاخلاص بل ھوقصدللعبادۃ علی حسب وقوعھا لان من ضرورتھاحصول التداوی والحمیۃ "ترجمہ: فتح القدیر میں ہے: اگر روزے، پرہیز اور تداوی (بطور دوا کھانے پینے سے رکنے) کی نیت کی تو اصح یہ ہے کہ روزہ صحیح ہے، کیونکہ پرہیز اور تداوی اس کے پہلے قصد کا حاصل ہیں، لہذا اس کے اس قصد کو اخلاص میں کسی دوسری چیز کو شریک کرنے والا نہیں قرار دیا گیا، بلکہ یہ عبادت کے وقوع کے مطابق اس کا قصد ہے، کیونکہ تداوی اور پرہیز کا حاصل ہونا اس عبادت کے لوازمات میں سے ہے۔

(التحقیق الباھر، ج01، ص123، مخطوطہ)

(ع)امام یا مکبر نے تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہتے وقت اگر تکبیر تحریمہ کا قصد نہ کیا، بلکہ محض اعلان مقصود تھا، تو نماز ہی نہ ہوگی، جبکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیراتِ انتقالات یا تسمیع (یعنی سمع اللہ لمن حمدہ)، میں اگر محض اعلان مقصود ہوا، تکبیرات اور تسمیع مقصود ہی نہ تھیں، تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن مکروہ وخلاف سنت ہے۔ لہذا چاہیے یہ کہ نفس تکبیر سے تکبیر ہی مقصود ہو اور جہر یعنی آواز کی بلندی سے اعلان مقصود ہو۔ ردالمحتار میں ہے:" اعلم أن الإمام إذا كبر للافتتاح فلا بد لصحة صلاته من قصده بالتكبير الإحرام، وإلا فلا صلاة له إذا قصد الإعلام فقط، فإن جمع بين الأمرين بأن قصد الإحرام والإعلان للإعلام فذلك هو المطلوب منه شرعا، وكذلك المبلغ إذا قصد التبليغ فقط خاليا عن قصد الإحرام فلا صلاة له ولا لمن يصلي بتبليغه في هذه الحالة لأنه اقتدى بمن لم يدخل في الصلاة، فإن قصد بتكبيره الإحرام مع التبليغ للمصلين فذلك هو المقصود منه شرعا، كذا في فتاوى الشيخ محمد بن محمد الغزي الملقب بشيخ الشيوخ. ووجهه أن تكبيرة الافتتاح شرط أو ركن فلا بد في تحققها من قصد الإحرام أي الدخول في الصلاة. وأما التسميع والتحميد من الإمام والمبلغ وتكبيرات الانتقالات منهما إذا قصد بما ذكر الإعلام فقط فلا فساد للصلاة، كذا في [القول البليغ في حكم التبليغ] للسيد أحمد الحموي، وأقره السيد محمد أبو السعود في حواشي مسكين. والفرق أن قصد الإعلام غير مفسد كما لو سبح ليعلم غيره أنه في الصلاة. ولما كان المطلوب هو التكبير على قصد الذكر والإعلام، فإذا محض قصد الإعلام فكأنه لم يذكر، وعدم الذكر في غير التحريمة غير مفسد۔۔۔ثم هذا كله إذا قصد الإعلام بنفس التكبيرة، أما إذا قصد بها التحريمة وقصد بالجهر بها الإعلام، بأن كان لولا الإعلام لم يجهر، وأنه يأتي بها ولو لم يجهر فهو المطلوب كما مر۔"ترجمہ: جان لو کہ جب امام نے نماز شروع کرنے کی تکبیر کہی تو نماز کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام نے اس سے تحریمہ (یعنی نماز میں داخل ہونے) کا قصد کیا ہو ورنہ اگر اس نے فقط خبر دینے کا قصد کیا تو اس کی کوئی نماز نہیں ہے (یعنی نماز شروع نہ ہوئی) اور اگر اس نے دونوں باتوں کو جمع کر لیا یعنی تحریمہ اور خبر دینے کے لیے اعلان' دونوں کا قصد کیا تو اس سے شرعا یہی مطلوب ہے۔ اور اسی طرح مکبر نے جب فقط پہنچانے کا قصد کیا، تحریمہ کا قصد نہ کیا تو اس کی نماز نہیں ہے اور نہ اس کی جو اِس صورت میں اس کی تکبیرات پر نماز پڑھے کیونکہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی جو نماز میں داخل نہیں ہوا، پس اگر اس نے تحریمہ کے ساتھ نمازیوں کو پہنچانے کا بھی قصد کیا تو اس سے شرعا یہی مقصود ہے، شیخ محمد بن محمد الغزی جن کا لقب شیخ الشیوخ ہے کے فتاوی میں اسی طرح ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی تکبیر شرط یا رکن ہے تو اس کے تحقق کے لیے تحریمہ یعنی نماز میں داخل ہونے کی نیت ضروری ہے اور بہر حال امام کی تسمیع اور مکبر کی تحمید اور ان دونوں کی تکبیرات انتقالات' جب ان سے فقط خبر دینے کا قصد کیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، علامہ سید احمد حموی کی القول البلیغ فی حکم التبلیغ میں اسی طرح ہے اور اسے سید محمد ابو مسعود نے مسکین کے حواشی میں برقرار رکھا اور فرق یہ ہے کہ خبر دینے کا قصد نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی دوسرے کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ نماز میں ہے تسبیح پڑھے، جبکہ یہاں مطلوب تکبیر کو بطور ذکر اور اعلام کہنا ہے پس جب اس نے صرف اعلام کا قصد کیا تو گویا کہ اس نے ذکر نہ کیا اور عدم ذکر تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں مفسد نہیں ہے پھر یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب اس نے نفس تکبیر سے اعلام کا قصد کیا، بہر حال جب اس نے نفس تکبیر سے تحریمہ کا قصد کیا اور جہر سے اعلام کا قصد کیا بایں طور کہ اگر اعلام نہ ہوتا تو وہ جہر نہ کرتا اور جہر نہ بھی کرتا تب بھی وہ تکبیر کہتا تو وہی مطلوب ہے جیسا کہ گزرا۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، ج02، ص209، کوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: "ولا بد لصحة شروع الإمام في الصلاة من قصد الإحرام بتكبيرة الإفتتاح فلو قصد الإعلام فقط لا يصح وإن جمع بين الأمرين فهو المطلوب منه شرعا وينال أجرين وكذا الحكم في المبلغ إن قصد التبليغ فقط فلا صلاة له ولا لمن أخذ بقوله في هذه الحالة لأنه اقتدى بمن ليس في صلاة كما في فتاوى الغزي وأما التسميع من الإمام والتحميد من المبلغ وتكبيرات الإنتقالات منهما فلا يشترط فيها قصد الذكر لصحة الصلاة بل للثواب ولا تفسد صلاة من أخذ بقوله لأنه مقتد بمن في الصلاة بخلاف الأولى اهـ من السيد وغيره "ترجمہ: امام کے نماز میں شروع ہونے کی صحت کے لیے ابتدائی تکبیر سے تحریمہ کا قصد کرنا ضروری ہے، پس اگر اس نے فقط اعلام کا قصد کیا تو درست نہیں ہے اور اگر دونوں کو جمع کیا تو اس سے شرعا یہی مطلوب ہے اور وہ دو اجر پائے گا اور مکبر کے بارے بھی اسی طرح حکم ہے کہ اگر اس نے فقط پہنچانے کا قصد کیا تو اس کی کوئی نماز نہیں اور نہ اس شخص کی جو اس صورت میں اس کے قول کو لے کیونکہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی جو خود نماز میں نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی الغزی میں ہے اور رہی امام کی تسمیع، مکبر کی تحمید اور ان دونوں کی تکبیرات انتقالات 'تو نماز درست ہونے کے لیے ان میں ذکر کے قصد کی شرط نہیں ہے، ہاں ثواب کے لیے شرط ہے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی جس نے اس کا قول لیا کیونکہ وہ اس کی اقتدا کرنے والا ہے جو نماز میں ہے برخلاف پہلی صورت کے۔ انتہی۔ سید وغیرہ سے منقول۔ (حاشیۃ الطحطاوی، فصل فی بیان سننھا، ج01، ص212، کراچی)

(ف) نماز شروع کرتے وقت حالتِ قیام میں تکبیر کہی۔ اس سے تکبیر تحریمہ کی نیت نہیں کی، بلکہ رکوع کی تکبیر کی نیت کی، تو اس کی نیت لغو ہو جائے گی، اور وہ تکبیر تحریمہ ہی قرار پائے گی، کہ اس وقت محل اسی کا ہے۔

(ص) نماز کی حالت میں سجدہ کیا اور اس سجدے سے سجدہ شکر یا نفل یا اس نماز سے پہلے کوئی سجدہ تلاوت اس کے ذمہ تھا اس کی نیت کی، تو یہ نیت لغو ہو جائے گی اور نماز کا سجدہ قرار پائے گا۔ فتح القدیر میں ہے "من سجد في إحرام الصلاة ينوي سجدة شكر أو نفل أو تلاوة عليه من قبل، تقع عن سجدة الصلاة لذلک الاستحقاق "ترجمہ: جس نے نماز کی حالت میں سجدہ کیا اور اس سجدے سے سجدہ شکر یا نفل یا اس نماز سے پہلے کوئی سجدہ تلاوت اس کے ذمہ تھا اس کی نیت کی، تو یہ نماز کا سجدہ ہی واقع ہو گا کیونکہ وقت اسی کا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الحج، ج02، ص507، کوئٹہ)

(ق) اسی طرح نماز پنجگانہ، یا واجب، یا سنن ونوافل وغیرہ (یعنی نماز جنازہ کے علاوہ نمازوں) میں سورہ فاتحہ پڑھتے وقت قراءت کی نیت نہیں کی، بلکہ ذکر وثنا کی نیت کی، تو نیت لغو ہو جائے گی، اور یہ قراءت ہی شمار ہو گی۔ کیونکہ یہ محل ہی قراءت کا ہے۔

(ر) ہاں اگر نماز جنازہ میں فاتحہ سے قراءت کی نیت نہ کی، بلکہ ذکر وثنا کی نیت کی، تو نیت درست ہے۔ اس لیے کہ یہ محل ثنا ہے، محل قراءت نہیں۔ درمختار میں ہے: " ويشترط كونه (قائما) فلو وجد الإمام راكعا فكبر منحنيا، إن إلى القيام أقرب صح ولغت نية تكبيرة الركوع "ترجمہ: اس کا کھڑا ہونا شرط ہے پس اگر اس نے امام کو حالت رکوع میں پایا تو اس نے جھکتے ہوئے تکبیر کہی، اگر وہ قیام کے زیادہ قریب تھا تو نماز درست ہے اور تکبیرِ رکوع کی نیت لغو گئی۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله ولغت نية تكبيرة الركوع) أي لو نوى بهذه التكبيرة الركوع ولم ينو تكبيرة الافتتاح لغت نيته وانصرفت إلى تكبيرة الافتتاح لأنه لما قصد بها الذكر الخالص دون شيء خارج عن الصلاة وكانت

التحريمة هي المفروضة عليه لكونها شرطا انصرفت إلى الفرض لأن المحل له وهو أقوى من النفل؛ كما لو نوى بقراءة الفاتحة الذكر والثناء" ترجمہ: ان کا قول: تکبیرِ رکوع کی نیت لغو گئی یعنی اگر اس نے اس تکبیر سے رکوع کی نیت کی، تکبیر افتتاح کی نیت نہیں کی تو اس کی نیت لغو گئی اور یہ تکبیر افتتاح کی طرف پھر گئی کیونکہ جب اس نے تکبیر سے خالص ذکر کا قصد کیا نہ کہ کسی ایسی چیز کا جو نماز سے خارج ہو اور تکبیر تحریمہ اس پر فرض ہے کیونکہ یہ شرط ہے تو یہ تکبیر فرض کی طرف پھر گئی اس لیے کہ یہ اس کا محل ہے اور وہ نفل سے اقوی ہے جیسا کہ اگر اس نے سورۃ فاتحہ کی قراءت سے ذکر اور ثنا کی نیت کی۔ (الدر المختار مع رد المحتار، ج02، ص219، کوئٹہ)

یہ صورت تو وہ تھی کہ تکبیر سے نماز کی تکبیر ہی کی نیت کی۔ لیکن رکوع کی مراد لی، تو رکوع والی نیت لغو ہو گئی۔

(ش) لیکن اگر تکبیر سے نماز کی تکبیر کی نیت ہی نہ کی، بلکہ تعجب کی نیت سے تکبیر کہی، یا موذن کا جواب دینے کی نیت سے تکبیر کہی، تو چونکہ یہ دونوں چیزیں نماز کے منافی ہیں، لہٰذا ان صورتوں میں تکبیر تحریمہ ادا نہیں ہو گی اور نماز بھی شروع نہیں ہو گی۔ در مختار میں ہے: "ولو أراد بتكبيره التعجب أو متابعة المؤذن لم يصر شارعا" ترجمہ: اگر تکبیر سے تعجب کا یا اقامت کہنے والے کی متابعت (یعنی جواب) کا ارادہ کیا تو وہ نماز شروع کرنے والا نہیں ہو گا۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے: "(قوله لم يصر شارعا) لأن التعجب والإجابة أجنبيان عن الصلاة مفسدان لها ففي شرح الشيخ إسماعيل في مفسدات الصلاة: لو قال اللهم صل على محمد أو الله أكبر، وأراد به الجواب تفسد صلاته بالإجماع، ولو أجاب المؤذن تفسد أيضا" ترجمہ: (ان کا قول: نماز شروع کرنے والا نہیں ہو گا) کیونکہ تعجب اور جواب دینا دونوں نماز سے الگ دو امور ہیں جو نماز کو فاسد کرنے والے ہیں لہٰذا شرح شیخ اسماعیل میں مفسدات نماز میں ہے: اگر اس نے اللھم صل علی محمد یا اللہ اکبر کہا اور اس سے جواب مقصود ہو تو بالاجماع اس کی نماز فاسد ہو گئی اور اگر اس نے مؤذن کے جواب میں کہا تب بھی نماز فاسد ہو گئی۔

(الدر المختار مع رد المحتار، ج02، ص219، کوئٹہ)

(ت) غیر امام کو لقمہ دینے میں اگر تعلیم ولقمہ دینے کا قصد کیا، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر صرف قراءت کرنا مقصود تھا، تو فاسد نہ ہو گی۔ نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے: و" يفسدها فتحه أي المصلي على غير إمامه لتعليمه بلا ضرورة " ترجمہ: نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کسی کو لقمہ دینا اس کی نماز کو فاسد کر دے گا، کیونکہ اس نے بغیر ضرورت اس کو سکھایا ہے۔

اس کے تحت حاشیۃ الطحطاوی میں ہے: " هذا إذا قصد تعليمه لأنه يقع جوابا من غير ضرورة فكان من كلام الناس وإن أراد القراءة دون التعليم لا تفسد كما في مسكين وغيره" ترجمہ: یہ تب ہے جب اس نے اس کی تعلیم کا قصد کیا ہو، کیونکہ یہ بلا ضرورت جواب بنے گا پس یہ لوگوں کے عام کلام میں سے ہو گیا اور اگر اس نے قراءت کا قصد کیا، تعلیم کا قصد نہیں کیا تو نماز فاسد نہیں ہو گی جیسا کہ مسکین وغیرہ میں ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی مع المراقی، باب مایفسد الصلاۃ، ص271، کراچی)

منحۃ الخالق میں ہے: "لو فتح على غير إمامه قاصدا القراءة لا التعليم لا تفسد عند الكل " ترجمہ: اگر اس نے اپنے امام کے غیر کو قراءت کا قصد کرتے ہوئے لقمہ دیا، تعلیم کا قصد نہیں کیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(منحۃ الخالق مع البحر الرائق، ج02، ص11، کوئٹہ)

(ث) قرآن پاک میں جو خطاب کے جملے موجود ہیں، اگر نمازی نے کسی بندے کو خطاب کرنے کی نیت سے انہیں پڑھا، تلاوت مقصود نہ تھی، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ تبیین الحقائق میں ہے: " من قال یابني ارکب معنا وأراد به خطابه یکون کلاما مفسدا لا قراءة القرآن، وکذا لو قال لرجل اسمه یحیی {یٰیحیی خذ الکتاب بقوة} [مریم: 12] وأراد به الخطاب" ترجمہ: جس نے کہا: ﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا﴾ (اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔) اور اس نے اس کے ساتھ بیٹے کو خطاب کا ارادہ کیا نہ کہ قرآن کی تلاوت کا تو یہ کلام نماز کو توڑنے والا ہے اور یہی حکم ہے اس وقت اگر یحیی نامی شخص سے کہا: ﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ﴾ (اے یحیی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔) اور اس سے خطاب مراد لیا۔ (تبیین الحقائق، ج 01، ص 157، ملتان)

(8) دو عبادتوں کو جمع کرنے کی نیت

اوپر جو گفتگو گزری وہ اس بارے میں تھی کہ عبادت کی نیت ہی نہ کی، یا عبادت کے ساتھ اس کے منافی یا لازم کی نیت کی۔ اب گفتگو اس کے متعلق ہو گی کہ ایک عبادت میں دوسری عبادت کو جمع کرنے کی نیت کی۔

اس کی دو اقسام ہیں:

1: جن عبادتوں کو جمع کرنے کی نیت کی وہ عبادات غیر مقصودہ، اور وسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے وضو و غسل وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں ایک ہی عبادت میں جتنی عبادتوں کی نیت کرے گا، وہ سبھی ادا ہو جائیں گی اور سبھی کا ثواب حاصل ہو گا۔ وہ سبھی خواہ فرض ہوں، یا بعض فرض بعض سنت یا مستحب، یا تمام ہی سنت یا مستحب، ہوں۔ مثلاً:

(الف) ایک عورت حیض سے فارغ ہوئی، اور نہانے سے قبل ہی جنابت بھی اس پر طاری ہو گئی؛ اب وہ دونوں کی نیت سے ایک غسل کرے، تو دونوں کا ثواب ملے گا۔ (ب) اسی طرح اگر عید، جمعہ والے دن تھی، اور اسی دن غسل جنابت بھی فرض تھا۔ اس نے تینوں کی نیت سے ایک غسل کیا۔ تو تینوں غسل ادا ہو جائیں گے، اور تینوں کا ثواب حاصل ہو گا۔ (ج) اگر ساتھ میں اسی دن سورج گرہن بھی تھا، اس کی نماز کا اہتمام کیا، اور استسقاء یعنی بارش کی طلب کے لیے نماز استسقاء کا بھی اہتمام کیا؛ اور ان کے غسل کی بھی نیت کر لی، تو ان کا ثواب بھی ملے گا۔

نوٹ

سورج گرہن، چاند گرہن اور استسقاء کی نمازوں کے لیے غسل کا حکم

یاد رہے کہ سورج گرہن، چاند گرہن اور استسقاء کی نماز کے لیے غسل مستحب ہے۔

(د) اگر عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا اور اسی دن احرام بھی باندھا اور احرام سے پہلے تینوں کی نیت سے ایک غسل کیا، تو تینوں کا ثواب ملے گا۔

نوٹ: یاد رہے کہ ان تینوں کے لیے غسل سنت ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: " فی بیان الجمع بین العبادتین: وحاصله: اما ان یکون فی الوسائل او فی المقاصد، فان کان فی الوسائل فان الکل صحیح، قالوا: لو اغتسل الجنب یوم الجمعة للجمعة ولرفع الجنابة ارتفعت جنابته وحصل له ثواب غسل الجمعة " ترجمہ: دو عبادتوں کو جمع کرنے کے بارے میں: اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ یا تو وسائل میں ہو گا یا مقاصد میں، اگر وسائل میں

ہو تو تمام صحیح ہیں۔ علمانے فرمایا: اگر جنبی نے جمعہ کے دن جمعہ اور جنابت دور کرنے کے لیے غسل کیا تو اس کی جنابت دور ہو گئی اور اسے غسل جمعہ کا ثواب حاصل ہوا۔ (الاشباہ والنظائر، ص45، مطبوعہ کراچی)

در مختار میں ہے: "ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا مع جنابة کما لفرضی جنابة وحیض "ترجمہ: عید اور جمعہ جنابت سے ملے ہوں تو ان سب کے لیے ایک غسل کافی ہے جیسا کہ جنابت اور حیض دونوں فرض غسلوں کے لیے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "اقول: و کما لو کان معھما کسوف واستسقاء وھذا کلہ اذا نوی ذلک لیحصل لہ ثواب الکل "ترجمہ: میں کہتا ہوں: جیسے اگر ان دونوں کے ساتھ کسوف اور استسقاء ہو اور یہ اس صورت میں ہے جب اس نے ان سب کی نیت کی تاکہ اسے سب کا ثواب ملے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج01، ص341، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(وسن لصلاة جمعة و) لصلاة (عيد)---- (و) لأجل (إحرام و) في جبل (عرفة) بعد الزوال.--- (وندب لصلاة کسوف) وخسوف (واستسقاء "ترجمہ: نماز جمعہ، نماز عید، احرام کے لیے اور عرفہ کے پہاڑ میں زوال کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔ اور نماز کسوف، خسوف اور استسقا کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج01، ص339 تا 341، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "ظھر مما ذکرنا أن الأغسال یوم النحر خمسة، وھي: الوقوف بمزدلفة، ودخول منی، ورمي الجمرة، ودخول مکة والطواف، ویظھر لي أنه ینوب عنھا غسل واحد بنیته لھا کما ینوب عن الجمعة والعید "ترجمہ: جو ہم نے ذکر کیا اس سے ظاہر ہوا کہ یوم نحر کو پانچ غسل ہیں اور وہ یہ ہیں: وقوف مزدلفہ، منی میں داخل ہونے، جمروں کو کنکریاں مارنے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور طواف کا غسل۔ اور میرے لیے ظاہر ہے کہ ان سب کی نیت سے ایک ہی غسل ان سب کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ (ایک ہی غسل) نماز جمعہ اور نماز عید کے غسل کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج01، ص342، کوئٹہ)

2: جن دو عبادتوں کو جمع کرنے کی نیت کی، ان کا تعلق عبادات مقصودہ سے ہے۔ تو اس کی تفصیل

وہ عبادات یا دونوں فرض ہوں گی یا دونوں نفل ہوں گی یا ایک فرض اور ایک نفل ہو گی۔ پھر عبادات بھی مختلف اقسام کی ہیں: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، کفارہ وغیرہ، پھر ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جو قضا بھی ہو جاتی ہیں۔ تو ان میں جن دو کی نیت کی وہ دونوں ادا (یعنی وقتی) ہوں گی یا دونوں قضا ہوں گی یا ایک قضا اور ایک ادا یا ایک ادا ہو گی اور ایک کا ابھی وقت نہیں آیا ہو گا۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو مختلف مساوی فرض چیزوں کی نیت کی اور ان میں سے کسی کو کسی ذریعے سے دوسرے پر ترجیح نہیں، تو دونوں کی نیت باطل ہو جائے گی اور کوئی بھی درست نہ ہو گا، لیکن اگر ان میں سے ایک کو دوسری پر کوئی ترجیح ہے، تو راجح درست ہو گی۔

اس کے مطابق تفصیل درج ذیل ہے:

1: اگر وہ نمازیں ہیں اور (الف) دونوں ادا یعنی وقتی ہیں جیسے یوم عرفہ، مقام عرفہ میں ظہر و عصر۔ پس اس نے ایک ہی نماز میں ظہر و عصر دونوں کی نیت کی تو ظہر ادا ہو گی کہ اس مقام پر ظہر کو عصر سے مقدم کرنا لازم ہے۔ (ب) اگر دونوں قضا ہوں اور نیت کرنے والا صاحب ترتیب ہو، تو پہلی نماز ادا ہو گی۔ مثلاً کسی دن کی ظہر اور عصر دونوں قضا ہو گئیں۔ اس نے ایک ہی نماز میں دونوں کی قضا کی نیت کی، تو ظہر کی نیت

قرار پائے گی، کیونکہ جب وہ صاحبِ ترتیب ہے تو اس پر پہلی نماز کو پہلے پڑھنا لازم ہے۔ لہٰذا اسی کی نیت قرار پائے گی۔(ج) البتہ اگر وہ صاحب ترتیب نہیں، تو کوئی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔(د) لیکن اگر ایک ادا(یعنی وقتی)، اور دوسری کا ابھی وقت ہی نہیں آیا، تو وقتی ہوئی۔ مثلاً آج ظہر کے وقت میں ظہر کی، اور آئندہ آنے والی عصر کی نیت کی تو ظہر کی ادا ہوئی۔(ہ) یونہی اگر ایک ادا(یعنی وقتی) ہے اور دوسری قضا اور وقت میں وسعت نہیں کہ دونوں ادا کی جا سکیں، تو صرف وقتی ہوئی۔(و) پھر اگر وقت میں وسعت ہے، تو کوئی بھی نہیں ہوئی۔(ز) اگر فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی نیت کی، مثلاً ظہر اور جنازہ کی نیت کی، تو فرض عین یعنی ظہر ادا ہوگی۔(ح) اسی طرح اگر جنازہ اور نفل کی نیت کی، تو تب بھی نفل نماز ادا ہوگی۔(ط) اگر ایک فرض اور دوسری نفل کی نیت کی، تو فرض ادا ہوئی۔(ی) اگر دونوں نفل تھیں، تو دونوں ادا ہو گئیں۔(نوٹ: یہ یاد رہے کہ یہاں نفل میں سنت بھی شامل ہے۔) درمختار میں ہے:"ولو نوى فرضين كمكتوبة وجنازة فللمكتوبة، ولو مكتوبتين فللوقتية ولو فائتتين فللأولى لو من أهل الترتيب وإلا لغا فليحفظ، ولو فائتة ووقتية فللفائتة لو الوقت متسعا، ولو فرضا ونفلا فللفرض، ولو نافلتين كسنة فجر وتحية مسجد فعنهما، ولو نافلة وجنازة فنافلة" ترجمہ: اگر دو فرضوں جیسے فرض نماز اور جنازہ کی نیت کی تو یہ فرض کی نیت ہوئی اور اگر دو فرض نمازوں کی نیت کی تو وقتی فرض کی نیت ہوئی اور اگر دو فوت شدہ کی نیت کی تو اگر وہ صاحب ترتیب ہو تو پہلی نماز کی نیت ہوئی ورنہ وہ نیت لغو گئی، چاہیے کہ اسے یاد کر لیا جائے۔ اور اگر ایک فوت شدہ اور ایک وقتی کی نیت کی تو اگر وقت میں گنجائش ہو تو فوت شدہ کی نیت ہوئی اور اگر فرض و نفل کی نیت کی تو فرض کی ہوئی اور اگر دو نفل کی نیت کی جیسے فجر کی سنتیں اور تحیۃ المسجد تو دونوں کی نیت ہو گئی اور اگر ایک نفل اور ایک جنازہ کی نیت کی تو نفل کی نیت ہوئی۔ (الدر المختار، ج02، ص153، کوئٹہ)

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:"(قوله ولو مكتوبتين) أي إحداهما وقتية والأخرى لم يدخل وقتها كما لو نوى في وقت الظهر ظهر هذا اليوم وعصره كذا في شرح المنية وشرح الأشباه للبيري، ويدل عليه قوله الآتي ولو فائتة ووقتية۔۔۔(قوله ولو فائتتين فللأولى) وكذا لو وقتيتين كالظهر والعصر في عرفة كما بحثه البيري. وقال ح: لأن العصر وإن صحت في وقت الظهر في ذلك اليوم إلا أن الظهر واجبة التقديم عليها للترتيب فكانتا بمنزلة فائتتين لم يسقط الترتيب بينهما كما هو ظاهر۔۔۔(قوله فللفائتة لو الوقت متسعا) وأما إذا خاف ذهاب وقت الحاضرة فإنه يجزيه عنها حتى يكون عليه قضاء الفائتة كما في الأجناس بيري. هذا، وقال ح بعد قوله لو الوقت متسعا أي وكان بينهما ترتيب إذ لو كان متسعا ولم يكن بينهما ترتيب لغت نيته" ترجمہ: ان کا قول: اگر دو فرضوں کی نیت کی یعنی ان میں سے ایک وقتی ہو اور دوسری کا وقت ابھی نہ آیا ہو جیسے اگر ظہر کے وقت میں اس دن کی ظہر اور عصر کی نیت کی، شرح منیہ اور شرح اشباہ للبیری میں اسی طرح ہے۔ اور اس پر ان کا اگلا قول: "ولو فائتة ووقتية" دلالت کرتا ہے۔ ان کا قول: اگر دو فوت شدہ کی نیت کی تو پہلی کی نیت ہوئی اور اسی طرح اگر دو وقتی نمازوں جیسے عرفہ میں ظہر و عصر کی نیت کی جیسا کہ علامہ بیری نے اس کی بحث فرمائی ہے۔ اور علامہ حموی نے فرمایا: کیونکہ عصر اگرچہ اس دن ظہر کے وقت میں صحیح ہے لیکن ترتیب کی وجہ سے ظہر کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے تو وہ دونوں ایسی دو فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام ہو گئیں جن کے درمیان ترتیب ساقط نہیں ہوئی جیسا کہ یہی ظاہر ہے۔ ان کا قول: اگر وقت میں گنجائش ہو تو فوت شدہ کی نیت ہوئی اور بہرحال جب موجود نماز کا وقت جانے کا خوف ہو تو وہ نیت اس نماز کے لیے کافی ہوگی یہاں تک کہ فوت شدہ اس پر قضا رہے گی جیسا کہ الاجناس میں ہے، بیری۔ اسے محفوظ کر لو۔ اور علامہ حموی نے ان کے قول:

"اگر وقت میں گنجائش ہو" کے بعد فرمایا: یعنی اوران کے درمیان ترتیب ہو کیونکہ اگر وقت میں گنجائش ہو اور ان کے درمیان ترتیب نہ ہو تو اس کی نیت لغو گئی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج02، ص153، کوئٹہ)

بحرالرائق میں ہے: "ولو جمع بين مكتوبتين فائتتين فمقتضاه أنه لا يصح لكن في الخلاصة أنه يكون للأولى منهما وأقره في فتح القدير وعلل له في المحيط بأن الثانية لا تجوز إلا بعد قضاء الأولى وهو إنما يتم فيما إذا كان الترتيب بينهما واجبا"

ترجمہ: اگر دو فرض فوت شدہ کی ایک ساتھ نیت کی تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ نیت درست نہ ہو لیکن خلاصہ میں ہے کہ ان میں سے پہلی کی نیت ہو گی اور فتح القدیر میں اسے برقرار رکھا اور محیط میں اس کی علت یہ بیان کی کہ دوسری پہلی کی قضا کے بعد ہی جائز ہے اور علت اس صورت میں تام ہو گی جب دونوں کے درمیان ترتیب واجب ہو۔ (البحر الرائق، ج01، ص489، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "دو نمازوں کی ایک ساتھ نیت کی، اس میں چند صورتیں ہیں: (۱) ان میں ایک فرض عین ہے، دوسری جنازہ، تو فرض کی نیت ہوئی، (۲) اور دونوں فرض عین ہیں، تو ایک اگر وقتی ہے اور دوسری کا وقت نہیں آیا، تو وقتی ہوئی، (۳) اور ایک وقتی ہے، دوسری قضا اور وقت میں وسعت نہیں جب بھی وقتی ہوئی، (۴) اور وقت میں وسعت ہے تو کوئی نہ ہوئی اور (۵) دونوں قضا ہوں، تو صاحب ترتیب کے لیے پہلی ہوئی اور (۶) صاحب ترتیب نہیں، تو دونوں باطل اور ایک (۷) فرض، دوسری نفل، تو فرض ہوئے، (۸) اور دونوں نفل ہیں تو دونوں ہوئیں، (۹) اور ایک نفل، دوسری نماز جنازہ، تو نفل کی نیت رہی۔ (در مختار، ردالمحتار)" (بہار شریعت، ج01، حصہ 03، ص499، مکتبۃ المدینہ)

2: اگر وہ روزے ہوں، تو (الف) اگر موجودہ رمضان کے ادا روزے کے ساتھ آئندہ آنے والے رمضان کے روزے کی نیت کی یا صحیح مقیم نے پچھلے کسی قضا روزے کی نیت کی یا کسی واجب، یا سنت، یا نفل کی، نیت کی، تو بہرصورت اسی موجودہ رمضان کا ادا روزہ ہو گا۔ (ب) لیکن اگر کسی پر رمضان کے دو دنوں کے روزے قضا ہیں اور دونوں کی نیت سے روزہ رکھا، تو نیت باطل نہیں ہو گی۔ ہاں روزہ صرف ایک ہو گا۔ دوسرے روزے کی قضا ذمہ پر رہے گی۔ (ج) اسی طرح اگر دو ظہاروں کی طرف سے ایک روزہ رکھنے کی نیت کی، تو تب بھی نیت باطل نہیں ہو گی۔ ہاں روزہ صرف ایک ظہار کا ادا ہو گا۔ (د) اگر رمضان کے قضاء روزے اور کفارۂ ظہار کی نیت کی تو قضاء روزہ ہو گا۔ (ہ) اگر قضائے رمضان اور نفل کی نیت کی، تو قضائے رمضان کا روزہ ادا ہو گا۔ (و) اگر قضائے رمضان اور نذر کی نیت کی، تو قضائے رمضان کا روزہ ہو گا۔ (ز) اگر نذر معین اور نفل کی نیت کی رات کو کی یا دن کو یا نذر معین اور کفارے کی رات سے ہی نیت کی، تو بالاجماع نذر معین ادا ہو گی۔ (ح) اگر کفارۂ ظہار اور کفارۂ قتل کی نیت کی، یا (ط) قضائے رمضان اور کفارۂ قتل کی نیت کی، تو بالاتفاق کفارۂ قتل کا روزہ ہو گا۔ (ی) اگر کفارہ اور نفل کی نیت کی، تو واجب یعنی کفارے کا روزہ ہو گا۔ (ک) اگر قضا اور کفارہ یمین دونوں کی نیت کی، تو نیت باطل ہو جائے گی، اور کوئی بھی روزہ نہیں ہو گا۔ (ل) اگر دو نفل (کہ جن میں سنت بھی شامل ہے) کی نیت سے روزے رکھے، تو دونوں ادا ہو جائیں گے۔ مثلا پیر کے دن یوم عرفہ بھی تھا، کسی نے پیر اور عرفہ دونوں کی نیت سے روزہ رکھا، تو دونوں ادا ہو جائیں گے۔ (م) علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں بعض فقہاء کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی نے یوم عرفہ کو کوئی واجب روزہ؛ مثلا منت کا، یا قضا کا، یا کفارے کا روزہ رکھا اور ساتھ میں عرفہ کے دن کے روزے کی نیت بھی کر لی، تو ان فقہائے کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی یہ دونوں نیتیں درست ہو جائیں گی اور دونوں روزے ادا ہو جائیں گے۔ لہذا دونوں کا ثواب ملے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:" ومتى نوى شيئين مختلفين متساويين في الوكادة والفريضة، ولا رجحان لأحدهما على الآخر بطلا، ومتى ترجح أحدهما على الآخر ثبت الراجح كذا في محيط السرخسي. فإذا نوى عن قضاء رمضان والنذر كان عن قضاء رمضان استحسانا، وإن نوى النذر المعين والتطوع ليلا أو نهارا أو نوى النذر المعين، وكفارة من الليل يقع عن النذر المعين بالإجماع كذا في السراج الوهاج. ولو نوى قضاء رمضان، وكفارة الظهار كان عن القضاء استحسانا كذا في فتاوى قاضي خان. وإذا نوى قضاء بعض رمضان، والتطوع يقع عن رمضان في قول أبي يوسف - رحمه الله تعالى -، وهو رواية عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في الذخيرة. ولو نوى الصوم عن كفارة الظهار والقتل أو عن قضاء رمضان وعن كفارة القتل يقع عن القتل بالاتفاق كذا في محيط السرخسي. ولو نوى عن كفارة وتطوع جاز عن الواجب استحسانا كذا في الذخيرة. ۔۔۔ ولو نوى صوم القضاء، وكفارة اليمين لم يكن عن واحد منهما عند أبي يوسف - رحمه الله تعالى - للتعارض وعند محمد - رحمه الله تعالى - لمكان التنافي۔ "ترجمہ:جب دوایسی مختلف چیزوں کی نیت کی جو لازم وفرض ہونے میں برابر ہوں اور ان میں سے ایک کو دوسری پر کوئی ترجیح حاصل نہ ہو تو وہ نیت باطل ہو گئی۔اور جب ان میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل ہو تو راجح ثابت ہو جائے گی، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ پس جب رمضان کی قضا اور نذر کی نیت کی تو استحساناوہ روزہ رمضان کی قضا کا ہوا۔اور اگر رات یادن میں نذر معین اور نفل کی نیت کی یارات سے نذر معین اور کفارے کی نیت کی تو وہ بالاجماع نذر معین کا ہوا، سراج الوہاج میں اسی طرح ہے اور اگر قضاءِ رمضان اور کفارہ ظہار کی نیت کی تو استحسانا قضا کا ہوا، فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے اور جب رمضان کے کسی دن کی قضا اور نفل کی نیت کی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ رمضان کا ہوا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے، ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔اور اگر ظہار اور قتل کے کفارے کی نیت کی یا قضاءِ رمضان اور قتل کے کفارے کی نیت کی تو وہ بالاتفاق قتل کے کفارے کا ہوا، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ اور کفارے اور نفل کی نیت کی تو استحساناواجب کی طرف سے ادا ہوا، ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔اور اگر قضا کے روزے اور قسم کے کفارے کی نیت کی تو وہ ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے نہ ہوا' امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعارض کی وجہ سے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منافاۃ کے ممکن ہونے کی وجہ سے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج01، ص197-196، کوئٹہ)

بدائع الصنائع میں ہے:" صوم رمضان أقوى الصيامات حتى تندفع به نية سائر الصيامات "ترجمہ:رمضان کا روزہ تمام روزوں سے زیادہ قوی ہے یہاں تک کہ اس سے باقی تمام روزوں کی نیت ختم ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، ج02، ص229، کوئٹہ)

محیط برھانی میں ہے:" ولو أصبح صائماً ينوي من اليومين الذين وجبا عليه أجزأه عن واحد منهما استحساناً، وكذلك لو أصبح ينوي صومه من ظهارين أجزأه عن واحد منهما استحساناً "ترجمہ:اگر اس نے روزہ دار ہونے کی حالت میں صبح کی اور اس نے ایسے دو ایام کی طرف سے روزہ رکھنے کی نیت کی جن کا روزہ اس پر واجب ہے تو استحسانا ایک کی طرف سے وہ روزہ کافی ہو جائے گا اور اسی طرح اگر دو ظہاروں کے روزے کی نیت کرتے ہوئے صبح کی تو وہ استحسانا ایک کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ (محیط برھانی، ج02، ص552، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے:" قال الزيلعي: وكذا الوصام ونوى عن يومين أو أكثر جاز عن يوم واحد، ولو نوى عن رمضانين أيضا يجوز اهـ. وعليه فالمعنى أنه لو كان عليه يومان من رمضانين فقضى يوما ونواه عنهما يجوز صومه عن أحدهما ويبقى عليه

الآخر "ترجمہ: علامہ زیلعی نے فرمایا: اور اسی طرح اگر روزہ رکھا اور نیت دو دنوں یا زیادہ ایام کی طرف سے کی تو وہ ایک دن کی طرف سے درست ہو گا اور اگر دو ماہ رمضان کی طرف سے نیت کی تو بھی جائز ہے، انتہی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر دو مختلف سالوں کے ماہ رمضان کے دو روزوں کی قضا لازم تھی، اس نے ایک دن قضا رکھی اور اس ایک دن میں دونوں کی طرف سے نیت کر لی تو اس کا وہ روزہ ان میں سے ایک کی طرف سے درست ہو جائے گا اور دوسرا روزہ اس پر باقی رہے گا۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، ج10، ص488، کوئٹہ)

فتح القدیر میں ہے: "ولو نوى القضاء وكفارة الظهار كان عن القضاء استحسانا، وفي القياس يكون تطوعا، وهو قول محمد لتدافع النيتين، فصار كأنه صام مطلقا. وجه الاستحسان أن القضاء أقوى لأنه حق الله تعالى على الخلوص، وكفارة الظهار لاستيفاء حق له فيترجح القضاء." ترجمہ: قضا اور کفارہ ظہار کی نیت کی تو وہ روزہ استحسانا قضا کا ہو گا اور قیاس کے مطابق یہ نفل ہونا چاہیے اور امام محمد کا یہی قول ہے کیونکہ دونوں نیتیں ایک دوسرے کو ختم کر دیں گی تو ایسے ہو جائے گا جیسے اس نے مطلقا روزہ رکھا۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قضا اقوی ہے کیونکہ وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور کفارہ ظہار اپنے حق کو پورا کرنے کے لیے ہے لہٰذا قضا کو ترجیح ہو گی۔

(فتح القدیر، ج04، ص246، کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے: "إذا صام يوما في قضاء رمضان عن يومين يجزيه عن قضاء يوم واحد." ترجمہ: جب ایک دن میں رمضان کے دو دنوں کی قضا کی نیت کی تو وہ ایک دن کی طرف سے کفایت کر جائے گا۔ (الھدایۃ، باب الظہار، فصل: فی الکفارۃ، ج02، ص422، لاہور)

ردالمحتار میں ہے: "قوله ولو نافلتين) قد تطلق النافلة على ما يشمل السنة وهو المراد هنا (قوله فعنهما) . . . أي فكذا الصوم عن اليومين وأيده العلامة البيري" ترجمہ: ان کا قول: اگر دو نفلوں کی نیت کی۔ کبھی نفل کا اطلاق سنت پر بھی ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ان کا قول: تو ان دونوں کی طرف سے ہو گا یعنی پس اسی طرح وہ روزہ دونوں دنوں کی طرف سے ہو گا اور علامہ بیری نے اس کی تائید کی ہے۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، ج02، ص155، کوئٹہ)

الاشباہ والنظائر میں ہے: "ولم أر حكم ما إذا نوى سنتين كما إذا نوى في يوم الاثنين صومه عنه وعن يوم عرفة إذا وافقه" ترجمہ: اور میں نے اس صورت کا حکم نہیں دیکھا جب اس نے دو سنتوں کی نیت کی جیسے اگر یوم عرفہ پیر کے دن ہو اور اس نے پیر کے دن پیر اور یوم عرفہ دونوں کے روزے کی نیت کی۔

اس کے تحت غمز عیون البصائر میں ہے: "أقول في فتح القدير صام في يوم عرفة مثل قضاء أو نذر أو كفارة ونوى معه الصوم عن يوم عرفة أفتى بعضهم بالصحة والحصول عنهما (انتهى) . ومنه يستفاد الحكم الذي لم يذكره المصنف - رحمه الله - بالطريق الأولى." ترجمہ: میں کہتا ہوں فتح القدیر میں ہے مثلا اس نے یوم عرفہ کو قضا، یا نذر یا کفارے کا روزہ رکھا اور اس کے ساتھ یوم عرفہ کے روزے کی نیت بھی کی تو بعض علما نے اس کے درست ہونے اور دونوں کی طرف سے روزہ ہونے کا فتوی دیا ہے، انتہی۔ اس سے وہ حکم بدرجہ اولیٰ حاصل ہو رہا ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ نے ذکر نہیں کیا۔ (غمز عیون البصائر، ج01، ص150، بیروت)

3: مالی عبادت میں دو کی نیت کی، تو اگر

(الف) زکوۃ کے ساتھ نفلی صدقہ کی نیت کی، تو زکاۃ ادا ہوگی کہ وہ اقوی ہے۔(ب) کفارہ یمین اور کفارہ ظہار دونوں کی نیت کی، تو دونوں ادا نہیں ہوں گے۔ ہاں استحساناً اسے اختیار ملے گا کہ اسے، ان دونوں میں سے، جس ایک کا چاہے کفارہ قرار دے دے۔(ج) زکوۃ اور کفارہ ظہار کی نیت کی، تو اس صورت میں بھی اسے اختیار ہوگا کہ جس کی طرف سے چاہے قرار دے دے۔

فتح القدیر میں ہے: "لونوی۔۔۔ الزکاۃ والتطوع ۔۔۔یکون تطوعاعندمحمد۔۔۔وعندابی یوسف یقع عن الاقوی ۔۔۔۔فی المنتقی لوتصدق عن یمین وظہارفلہ ان یجعلہ عن احدھمااستحسانا۔ "ترجمہ: اگر زکاۃ اور نفل دونوں کی نیت کی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نفلی صدقہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقوی کی طرف سے ادا ہوگا۔ منتقی میں ہے: اگر قسم اور ظہار کی طرف سے صدقہ کیا تو استحسانا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ان میں سے ایک کی طرف سے قرار دیدے۔

(فتح القدیر، باب الظہار، فصل فی الکفارۃ، ج04، ص246، کوئٹہ)

بنایہ میں ہے: "في "الإيضاح"، تصدق بخمسة ونوى بها الزكاة والتطوع يقع عن الزكاة عند أبي حنيفة -رَحِمَهُ اللَّهُ- لأن الفرض أقوى "ترجمہ: ایضاح میں ہے: پانچ (مثلا دراہم) صدقہ کئے اور ان سے زکاۃ اور نفل دونوں کی نیت کی تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ زکاۃ کی طرف سے ہوں گے کیونکہ فرض اقوی ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ، کتاب الزکاۃ، ج03، ص370، کوئٹہ)

التحقیق الباھر مع الاشباہ والنظائر میں ہے: "ولونوی بالتصدق (الزکاۃ وکفارۃ الظہار یجعلہ عن ایھماشاء) "ترجمہ: اگر صدقہ میں زکاۃ اور کفارہ ظہار کی نیت کی تو وہ اسے جس کی طرف سے چاہے قرار دے سکتا ہے۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص126، مخطوطہ)

4: ایک وقت میں ایک سے زیادہ احرام کی نیت کی

(الف) حج وعمرہ دونوں کی نیت کی، تو دونوں درست ہو جائیں گے۔ اب اگر یہ نیت کرنے والا میقات سے باہر ہے، جسے آفاقی کہتے ہیں، تو اس پر حج قران لازم ہوگا، اور اس کا دم شکر بھی لازم ہوگا۔ لیکن اگر وہ میقات کے اندر کا رہنے والا ہے، خواہ حلی ہو یا حرمی، تو اس پر لازم ہوگا کہ عمرہ چھوڑ کر حج کو باقی رکھے۔ اگر دونوں کر لیے تو دونوں ادا ہو جائیں گے، اور اس پر اس جمع کرنے کے باعث دم لازم ہوگا۔(ب) اگر منت اور نفل کا احرام باندھا، تو نفل کا ہوگا۔(ج) فرض اور نفل کا احرام باندھا، تو نفل کا ہوگا۔(د) یہ یاد ہے کہ دو چیزوں کا احرام باندھا تھا، لیکن بھول گیا کہ کن دو کی نیت کی تھی، تو قیاساً اس پر دو حج اور دو عمرے لازم ہوں گے۔ لیکن استحساناً اس پر ایک حج اور ایک عمرہ، یعنی حج قران لازم ہوگا۔(ہ) دو حج یا دو عمروں کے احرام باندھے، تو دونوں لازم ہو جائیں گے۔ ہاں ان میں سے ایک چھوٹ جائے گا۔ لیکن کس وقت چھوٹے گا، اس میں شیخین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک دونوں احراموں کے باندھنے سے فارغ ہوتے ہی چھوٹ جائے گا۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ سے، مشہور روایت کے مطابق، جب مکہ مکرمہ کے قصد سے چلے گا تو چھوٹے گا۔ اسے ظاہر الروایہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن دوسری روایت کے مطابق جب ان میں سے کسی ایک کے اعمال کرنا شروع کرے گا تو دوسرا چھوٹ جائے گا۔

ثمرہ اختلاف جنایت میں ظاہر ہوگا؛ کہ اگر مکہ مکرمہ کا قصد کرنے سے پہلے جماع کے علاوہ کوئی جنایت کی، تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کی دونوں روایات کے مطابق اس پر دو دم لازم ہوں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک دم لازم ہوگا۔ لیکن اگر جماع کیا تو امام اعظم علیہ

الرحمۃ کے نزدیک تین دم لازم ہوں گے، اورامام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک دودم لازم ہوں گے۔اس صورت میں اگر وہ محصر ہو گیا تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دودم، اورامام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک دم لازم ہو گا۔

فتح القدیر میں ہے: "الجمع إما بين إحرامي حجتين فصاعدا كعشرين أو عمرتين كذلك أو حجة وعمرة الأول إما أن يجمع بينهما معا أو على التعاقب۔۔۔ففيما إذا أحرم بهما معا أو على التعاقب لزماه عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، وعند محمد في المعية يلزمه إحداهما، وفي التعاقب الأولى فقط، وإذا لزماه عندهما ارتفضت إحداهما باتفاقهما ويثبت حكم الرفض. واختلفا في وقت الرفض، فعند أبي يوسف عقيب صيرورته محرما بلا مهلة. وعند أبي حنيفة: إذا شرع في الأعمال، وقيل إذا توجه سائرا، ونص في المبسوط على أنه ظاهر الرواية. وثمرة الخلاف تظهر فيما إذا جنى قبل الشروع فعليه دمان؛ للجناية على إحرامين ودم عند أبي يوسف - رحمه الله -؛ لارتفاض إحداهما قبلها. اهـ. (ومن الفروع) لو جامع قبل أن يسير أو يشرع على الخلاف لزمه دمان؛ للجماع ودم ثالث؛ للرفض، فإنه يرفض إحداهما ويمضي في الأخرى ويقضي التي مضى فيها وحجة وعمرة مكان التي رفضها. ولو قتل صيدا فعليه قيمتان أو أحصر فدمان، هذا عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -. وعند أبي يوسف دم سوى دم الرفض. وأما الثالث وهو بحجة وعمرة، فإما أن يجمع بينهما المكي ومن بمعناه كأهل المواقيت ومن دونهم أو الآفاقي، فإن كان الأولين ففي الكافي؛ للحاكم أنه لا يقرن بينهما ولا يضيف العمرة إلى الحج ولا الحج إلى العمرة، فإن قرن بينهما رفض العمرة ومضى في الحج، وكذا أهل المواقيت ومن دونهم إلى مكة۔۔۔فإن مضى عليهما حتى يقضيهما أجزأه وعليه لجمعه بينهما دم۔۔۔وإن كان الثاني وهو الآفاقي، فإن جمع بينهما أو أدخل إحرام الحج على إحرام العمرة قبل أن يطوف لها أربعة أشواط، أو إن لم يطف شيئا فهو قارن وعليه دم شكر." ترجمہ: جمع کرنے کی مختلف صورتیں ہیں (1) دو یا دو سے زائد مثلا بیس حجوں کے احرام کو جمع کرنا، (2) دو یا دو سے زیادہ عمروں کے احرام کو جمع کرنا (3) ایک حج اور ایک عمرہ کے احرام کو جمع کرنا۔ پہلی صورت میں یا تو دونوں کی ایک ساتھ نیت کی ہو گی یا ایک (کی) پہلے اور دوسرے کی بعد میں، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہ دونوں لازم ہو گئے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکٹھے نیت کرنے کی صورت میں ان میں سے ایک لازم ہو گا اور آگے پیچھے نیت کرنے میں صرف پہلا لازم ہو گا۔ جب شیخین کے نزدیک دونوں لازم ہو گئے تو ان کے نزدیک بالاتفاق ان میں سے ایک چھوٹ جائے گا اور چھوڑنے کا حکم ثابت ہو گا۔ ہاں البتہ چھوڑنے کے وقت میں اختلاف ہے پس امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا وقت محرم ہونے کے فورا بعد ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب وہ اعمال شروع کرے تو وقت رفض ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب وہ چلنے کے لیے متوجہ ہو، اور مبسوط میں اس پر نص فرمائی کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہو گا جب اس نے شروع سے پہلے کوئی جرم کیا تو اس پر دو احراموں کی جنایت کی وجہ سے دو دم لازم ہوں گے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک دم لازم ہو گا کیونکہ ایک احرام اس سے پہلے ختم ہو گیا ہے، انتہی۔ تفریعات: اگر اس نے چلنے یا شروع (اختلاف کے مطابق) سے پہلے جماع کیا تو اس پر دو دم جماع کی وجہ سے لازم ہوں گے اور تیسرا دم رفض کی وجہ سے لازم ہو گا۔ وہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے گا اور دوسرے کو جاری رکھے گا اور جسے جاری رکھا اسے مکمل ادا کرے گا۔ اور جسے چھوڑ دیا اس کی جگہ ایک حج اور عمرہ ادا کرے گا۔ اور اگر شکار کیا تو اس پر دو قیمتیں ہوں گی، اسے روک دیا گیا تو اس پر دو دم ہوں گے، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رفض کے دم کے علاوہ ایک دم ہو گا

اور تیسری صورت یعنی ایک حج اور ایک عمرے کو جمع کیا، تو اس کی دو صورتیں ہیں، یہ جمع کرنے والا مکی یا وہ شخص ہوگا جو اس کے معنی میں ہے جیسے اہل مواقیت اور جو ان کی نسبت زیادہ قریب ہیں یا وہ آفاقی ہوگا، اگر پہلے دو ہوں تو امام حاکم کی کافی میں ہے کہ یہ جمع نہیں کرسکتے اور عمرہ کو حج کے ساتھ یا حج کو عمرہ کے ساتھ نہیں ملاسکتے اگر انھوں نے دونوں کو ملایا تو عمرہ کو چھوڑ دیں اور حج کو ادا کریں اور اسی طرح اہل مواقیت اور وہ جو ان سے زیادہ مکہ مکرمہ کے قریب ہیں، اگر انھوں نے دونوں کو جاری رکھا یہاں تک کہ ادا کرلیا تو یہ کافی ہوجائیں گے لیکن دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اور اگر دوسرا ہو اور وہ آفاقی ہے، تو اگر اس نے حج و عمرہ کو جمع کیا یا اس نے طواف کے چار چکر لگانے سے پہلے یا مکمل طواف سے پہلے عمرہ کے احرام پر حج کا احرام باندھا تو یہ قارن ہے اور اس پر دم شکر ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الحج، باب اضافۃ الاحرام الی الاحرام، ج03، ص106 تا107، کوئٹہ)

اسی فتح القدیر میں ہے: "وإن أحرم بشيئين ونسيهما لزمه في القياس حجتان وعمرتان. وفي الاستحسان حجة وعمرة حملا لأمره على المسنون والمعروف وهو القران۔۔۔۔ولو أحرم نذرا ونفلا كان نفلا أو نوى فرضا وتطوعا كان تطوعا "ترجمہ: اگر دو چیزوں کا احرام باندھا اور ان دونوں کو بھول گیا تو قیاس کے مطابق اس پر دو حج اور دو عمرے لازم ہیں اور استحسان کے مطابق ایک حج اور ایک عمرہ لازم ہے کیونکہ اس کا معاملہ مسنون و معروف پر محمول ہوگا اور وہ قران ہے۔ اور اگر نذر اور نفل کا احرام باندھا تو وہ نفل کا ہوگا یا فرض اور نفل کی نیت کی تو وہ نفل کی نیت ہوگی۔ (فتح القدیر، کتاب الحج، باب الاحرام، ج02، ص446، کوئٹہ)

5: منت اور یمین کو جمع کرنے کی صورتیں

(الف) منت اور یمین دونوں کی نیت کی، (ب) یا فقط یمین کی نیت کی، اور منت کے ہونے یا نہ ہونے کسی احتمال کی نیت نہیں کی۔ تو ان دونوں صورتوں میں منت اور یمین دونوں ہیں۔ اگر پورے نہ کرے تو منت کی قضا دے، اور یمین کا کفارہ۔ در مختار میں ہے: "واعلم أن صيغة النذر تحتمل اليمين، فلذا كانت ست صور۔۔۔۔(وإن نواهما أو) نوى (اليمين) بلا نفي النذر (كان) في الصورتين (نذرا ويمينا، حتى لو أفطر يجب القضاء للنذر والكفارة لليمين) "ترجمہ: جان لو کہ نذر کا لفظ یمین کا احتمال رکھتا ہے اسی وجہ سے اس کی چھ صورتیں ہیں: (1) اگر ان دونوں کی نیت کی (2) یا نذر کی نفی کے بغیر یمین کی نیت کی۔ ان دونوں صورتوں میں نذ اور یمین دونوں ہوں گی، حتی کہ اگر روزہ چھوڑ دیا تو نذر کی قضا اور یمین کا کفارہ لازم ہوگا۔ (در مختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، ج03، ص484، کوئٹہ)

6: نماز کی تکبیر سے تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع دونوں کی نیت کرنا

نماز شروع کرنے سے پہلے کھڑے ہو کر تکبیر کہی، اور اس میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع دونوں کی نیت کی، تو تکبیر تحریمہ قرار پائے گی۔ اس لیے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے، اور تکبیر رکوع سنت، اور فرض اقوی ہے۔ نیز یہ محل بھی تکبیر تحریمہ کا ہے۔ لہذا اسی کو ترجیح ہوگی، اور رکوع کی نیت لغو ہو جائے گی۔ التحقیق الباھر میں ہے: "قال في البزازية :نوى بالتكبيرة تكبيرة الافتتاح والركوع ان كبر قائما جاز وهي للافتتاح لان الفرض اقوى والمحل له فيترجح ولغانية الركوع "ترجمہ: بزازیہ میں فرمایا: تکبیر سے ابتدائی تکبیر اور تکبیر رکوع دونوں کی نیت کی تو اگر کھڑے ہو کر تکبیر کہی تو نماز درست ہے اور یہ تکبیر تحریمہ ہے کیونکہ فرض اقوی ہے اور محل اسی کا ہے تو اسے ترجیح ہوگی اور رکوع کی نیت لغو گئی۔ (التحقیق الباھر، ج01، ص127، مخطوط)

7: طوافِ فرض اور طوافِ وداع کی نیت سے طواف کیا

طوافِ فرض اور طوافِ وداع کی نیت سے طواف کیا، تو جس کا وقت ہو گا اسی کا قرار پائے گا۔ مثلاً ایامِ نحر میں طواف کیا، تو فرض کا قرار پائے گا۔ لیکن اگر منی میں جتنی راتیں ٹھہرنا ہے وہ قیام کر کے واپس آ کر طواف کیا، اور فرض طواف کر چکا ہے، تو وداع کا قرار پائے گا۔ اسی طرح جس موقع پر بھی کوئی طواف کیا جائے گا، تو اس وقت جس کا محل ہو گا اسی کا طواف قرار پائے گا جبکہ اصل طواف کی نیت کی ہو، اگرچہ جس کا محل ہے، اس کی نیت نہ کرے، بلکہ کسی اور طواف کی نیت کرے، یا کسی خاص کی نیت نہ کرے بلکہ مطلق طواف کی نیت کرے، سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے۔

التحقیق الباھر میں ایک ہی طواف میں طواف فرض اور طواف وداع کی نیت کرنے کی صورت کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا: "فیقع عن الفرض ان طاف فی ایام النحر سواء نواہ مع غیرہ او نوی غیرہ فقط وان طاف بعد ما حل النفر فھو للوداع وان نوی غیرہ" ترجمہ: پس فرض کی طرف سے واقع ہو گا اگر ایام النحر میں طواف کیا، برابر ہے کہ فرض طواف کی نیت، دوسرے کسی طواف کی نیت کے ساتھ کی ہو یا صرف دوسرے طواف کی ہی نیت کی ہو اور اگر منی سے واپسی پر طواف کیا تو وہ وداع کا ہو گا اگرچہ کسی دوسرے طواف کی نیت کی ہو۔

(التحقیق الباھر، ص128، مخطوطہ)

فتح القدیر میں ہے: "والحاصل أن کل من طاف طوافا في وقته وقع عنه بعد أن ینوي أصل الطواف نواہ بعینه أو لا، أو نوی طوافا آخر" ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص جس طواف کے وقت میں طواف کرے، وہ طواف اسی کی طرف سے ہو گا جبکہ اس نے اصل طواف کی نیت کی ہو، پھر چاہے اسے معین کیا ہو یا نہ کیا ہو یا کسی دوسرے طواف کی نیت کی ہو۔ (فتح القدیر، کتاب الحج، ج02، ص507، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "الحاصل کما في الفتح وغیرہ أن من طاف طوافا في وقته وقع عنه، نواہ بعینه أولا أو نوی طوافا آخر، ومن فروعه لو قدم معتمرا وطاف وقع عن العمرة، أو حاجا وطاف قبل یوم النحر وقع للقدوم، أو قارنا وطاف طوافین وقع الأول عن العمرة والثاني للقدوم، ولو کان في یوم النحر وقع للزیارة أو بعد ما حل النفر بعد ما طاف للزیارة فھو للصدر، وإن نواہ للتطوع" ترجمہ: خلاصہ یہ ہے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ جس نے جس کے وقت میں طواف کیا وہ اسی طرف سے ہو گا، چاہے اسے معین کیا ہو یا نہ کیا ہو یا کسی دوسرے طواف کی نیت کی ہو۔ اس کی فروعات میں سے یہ مسئلہ ہے کہ اگر عمرہ کرنے کے لیے آیا اور طواف کیا تو وہ طواف عمرے کا ہو گا اور اگر حج کرنے کے لیے آیا اور ایام نحر سے پہلے طواف کیا تو طواف قدوم ہو گا۔ اگر قارن ہو اور دو طواف کئے تو پہلا عمرے کا اور دوسرا قدوم کا ہو گا اور اگر یوم نحر کو طواف کیا تو وہ طواف زیارۃ ہو گا اگر طواف زیارۃ کرنے کے بعد منی سے واپسی پر طواف کیا تو وہ طواف صدر ہو گا اگرچہ نفل کی نیت کی ہو۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج03، ص622، کوئٹہ)

8: عبادت کے علاوہ اشیاء کو جمع کرنے کے حوالے سے یہ تفصیل ہے

(الف) اگر بیوی کو کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اور اس سے طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کی، تو دو میں سے ایک چیز مراد لی جا سکتی ہے۔ دونوں مراد نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اسے اختیار دیا جائے گا کہ ان میں سے جسے چاہے مراد لے لے۔ (ب) دو بیویوں کو کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو۔ ایک کے

متعلق طلاق کی، اور دوسری کے متعلق ایلاء کی نیت کی، تو جس کے متعلق جو نیت کی ویسا ہی ہو گا۔(ج) ایک کے متعلق تین طلاقوں کی، اور دوسری کے متعلق ایک کی نیت کی، تو جو نیت کی ویسا ہی ہو گا۔

ردالمحتار و فتاوی عالمگیری میں ہے: "قال لامرأتیه: أنتما علي حرام ونوی لإحداهما الثلاث وللأخری واحدة فهما طالقان ثلاثا في قول أبي یوسف - رحمه الله تعالی - وقال أبو حنیفة - رحمه الله تعالی - هو كما نوی ویجب أن یكون هذا علی قول محمد - رحمه الله تعالی - أیضا والفتوی علی قولهما ولو قال: نویت الطلاق لإحداهما والیمین للأخری عند أبي یوسف - رحمه الله تعالی - یقع الطلاق علیهما وعلی قولهما یجب أن یكون كما نوی ولو قال لثلاث نسوة: أنتن علي حرام ونوی لإحداهن طلاقا وللثانیة یمینا وللثالثة الكذب طلقن جمیعا هكذا ذكر في الكتاب وهذا یجب أن یكون علی قیاس قول أبي یوسف - رحمه الله تعالی - وأما علی قیاس قولهما فهو كما نوی كذا في الفتاوی الكبری." ترجمہ: جس نے اپنی دو بیویوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ان میں سے ایک کے لیے تین طلاقوں کی نیت کی اور دوسری کے لیے ایک کی نیت کی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ان دونوں کو تین طلاقیں ہو گئیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس کی نیت کی وہی ہوا، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بھی یہی ہونا لازم ہے اور فتوی طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ اور اگر اس نے کہا: میں نے ان میں سے ایک کے لیے طلاق کی اور دوسری کے لیے قسم کی نیت کی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کو طلاق ہو گئی اور طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق جیسے اس نے نیت کی ویسے ہی ہوا۔ اور اگر اس نے تین بیویوں کو کہا: تم سب مجھ پر حرام ہو اور ان میں سے ایک کے لیے طلاق، دوسری کے لیے قسم اور تیسری کے لیے جھوٹ کی نیت کی تو ان سب کو طلاق ہو گئی، اسی طرح کتاب میں مذکور ہے اور یہ حکم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق ہے جبکہ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے قیاس کے مطابق جیسے اس نے نیت کی ویسے ہوا، فتاوی کبری میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب السابع فی الایلاء، ج 01، ص 488-487، کوئٹہ)

درمختار میں ہے: "في البزازیة قال لامرأتیه: أنتما علي حرام ونوی الثلاث في إحداهما والواحدة في الأخری صحت نیته عند الإمام وعلیه الفتوی." ترجمہ: بزازیہ میں ہے: کسی نے اپنی دو بیویوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک کے حق میں تین طلاقوں کی اور دوسری کے حق میں ایک طلاق کی نیت کی تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، باب صریح الطلاق، ج 04، ص 450، کوئٹہ)

غمز عیون البصائر میں ہے: "وفي فتح القدیر لو قال لزوجته: أنت علي حرام ینوي الطلاق والظهار، فإنه یخیر بینهما فما اختاره یثبت" ترجمہ: فتح القدیر میں ہے اگر طلاق اور ظہار کی نیت کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اسے ان دونوں کے درمیان اختیار ہو گا، لہٰذا اس نے جسے اختیار کر لیا وہ ثابت ہو جائے گا۔ (غمز عیون البصائر، ج 01، ص 152، بیروت)

بہار شریعت میں ہے: "اپنی دو عورتوں سے کہا تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک میں طلاق کی نیت ہے، دوسری میں ایلا کی یا ایک میں ایک طلاق کی نیت کی، دوسری میں تین کی تو جیسی نیت کی، اُس کے موافق حکم دیا جائے گا۔" (بہار شریعت، ج 02، حصہ 08، ص 193، مکتبۃ المدینہ)

9: منوی کی تعیین اور عدم تعیین

جو عمل کیا جارہا ہے، اس کی تعیین ضروری ہے یا نہیں، اور تعیین کس بات کی ہونی چاہیے، اس کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی۔ چنانچہ یادرہے کہ اعمال مختلف اقسام کے ہیں، لہذا ہر ایک کے اعتبار سے تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) نماز کی تعیین و عدم تعیین کے متعلق تفصیل

نماز میں فرض، واجب اور سنن و نوافل ہیں۔ سب کی علیحدہ علیحدہ تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) فرض نماز میں فرض کی نیت ہونا ضروری ہے۔ مطلق نماز، یا فرض کے علاوہ نماز کی نیت سے فرض ادا نہیں ہو گا۔ (ب) فرض کون سا ہے؟ مثلاً ظہر یا عصر وغیرہ، تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے۔ (ج) ظہر کی نماز ہے؛ تو آج کی، یا کل کی؟ اس کی نیت بھی ضروری ہے۔ (د) اگر وقت باقی ہے، تو فرضِ وقت کی نیت بھی کافی ہے۔ وقت جاتے رہنے کے بعد، فرضِ وقت کی نیت کافی نہیں۔ وقت کا جاتا رہنا معلوم ہو یا نہ ہو۔ (ہ) جمعہ میں فرضِ وقت کی نیت کافی نہیں، بلکہ خاص جمعہ کی نیت کرنا ضروری ہے۔ (و) دن کے نام کے ساتھ نیت کی، مثلاً پیر کے دن کی ظہر، تو اس کے ساتھ یہ تعیین بھی ضروری ہے کہ کون سا پیر؛ آج کا، یا پچھلا، وغیرہ کون سا؟ کیونکہ پیر کے ایام بہت ہیں۔ لہذا اگر پیر کی ظہر کی نیت کی، لیکن یہ تعیین نہیں کی کہ کس پیر کی ظہر، تو نماز نہ ہوئی۔ (ز) نیت میں تعداد رکعات افضل ہے، ضروری نہیں۔ لہذا اگر تعداد رکعات کے شمار کرنے میں خطا ہو گئی، مثلاً تین رکعات ظہر کی نیت کی، تو نماز ہو جائے گی۔ (ح) قضا یا ادا کی نیت کی ضرورت نہیں۔ لہذا قضا بنیت ادا، یا ادا بنیت قضا، پڑھی تو نماز ہو گئی۔ مثلاً وقتِ ظہر باقی ہے، اور اس نے سمجھا کہ وقت ختم ہو گیا، اور اس دن کی ظہر بنیتِ قضا پڑھی، تو ہو گئی۔ یا وقت ختم ہو گیا، اور اس نے یہ سمجھا کہ باقی ہے، اور بنیت ادا آج کی ظہر پڑھی، تو ہو گئی۔ (ط) ایک ہی طرح کی ایک سے زائد نمازیں قضا ہو گئیں، جیسے کئی ظہریں قضا ہو گئیں، تو دن کی تعیین ضروری ہے۔ لیکن اگر مختلف نمازیں قضا ہوئیں، تو نماز کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں قضا نماز۔ پھر اگر ایک ہی نماز قضا ہوئی، تو دن معین کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ میرے ذمے جو فلاں نماز ہے وہ پڑھتا ہوں۔ (ی) اگر کسی کے ذمے بہت ساری نمازیں قضا ہوں، اور تاریخ اور دن بھی یاد نہ ہوں، تو اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ یوں نیت کرے: سب میں پہلی، یا سب میں پچھلی، جو فلاں نماز میرے ذمہ ہے وہ پڑھتا ہوں۔

(ک) واجب نماز (نذر، عیدین اور طواف کی نماز، اور جو نوافل شروع کر کے توڑ دیئے) ان سب میں واجب کی نیت بھی کرے، اور تعیین بھی کرے کہ کون سی نماز ادا کرتا ہوں۔ (ل) نذریں اگر متعدد ہوں، تو ہر ایک کی الگ الگ تعیین کرے۔ (م) سجدہ تلاوت کی بھی تعیین ضروری ہے۔ مگر جبکہ نماز میں فوراً کرے۔ اگر متعدد سجود تلاوت جمع ہو گئے ہیں تو یہ تعیین ضروری نہیں کہ مثلاً پہلا سجدہ، یا آخری سجدہ، کرتا ہوں۔

(ن) وتر میں وتر کی نیت کافی ہے۔ اس کے واجب ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اسے عدم واجب نہ سمجھے۔

(س) سجدہ سہو میں بھی تعیین کرے۔

(ع) نوافل، سنن مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور تراویح، ان سب میں ان کی نیت سے بھی یہ درست ہو جائیں گی، ایک دوسرے کی نیت سے بھی درست ہو جائیں گی اور مطلق نماز یا مطلق نفل کی نیت کے ساتھ بھی درست ہو جائیں گی اور فرض و واجب کی نیت سے بھی درست ہو جائیں گی۔ غرض کہ سنن و نوافل ہر طرح کی نیت سے درست ہو جاتے ہیں۔

اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی نے دو رکعتیں تہجد کی نیت سے ادا کیں، یہ گمان کرکے کہ ابھی رات باقی ہے۔ لیکن در حقیقت فجر طلوع ہوچکی تھی۔ تو یہ دو رکعتیں سنتِ فجر کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر کسی ایسی جگہ کہ جہاں جمعہ کے صحیح ہونے میں شک تھا، جمعہ کی ادائیگی کے بعد چار رکعات نماز آخری ظہر کی نیت سے ادا کی، اور بعد میں ظاہر ہوا کہ جمعہ درست واقع ہوا تھا، اور اس کے ذمہ کوئی ظہر قضا بھی نہیں تھی، تو یہ چار رکعات جمعہ کی چار سنتوں کی طرف سے کفایت کر جائیں گی۔

اشکال: اگر کوئی ظہر میں چوتھی رکعت پر قعدہ کرکے بھولے سے پانچویں کے لیے کھڑا ہو گیا، اور اس نے دو رکعتیں مکمل کرکے سلام پھیرا، تو یہ دو رکعتیں ظہر کی سنتوں کے قائم مقام شمار نہیں کی جاتیں۔ اگر سنتیں ہر طرح کی نیت سے ادا ہو جاتی ہیں، تو یہ دو رکعتیں سنتوں کے قائم مقام ہو جانی چاہییں۔

الجواب: اس مقام پر ظہر کی سنتوں کی طرف سے کفایت نہ کرنے کی وجہ نیت کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ سنتوں کے لیے مشروع طریقہ یہ ہے کہ وہ علیحدہ تحریمہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، جبکہ یہاں ان کے لیے تحریمہ علیحدہ نہیں تھی۔ اس لیے سنتوں کی طرف سے ادا نہیں ہوئیں۔

(س) سجدہ شکر اگرچہ نفل ہے، لیکن اس میں بھی تعیین ضروری ہے۔

در مختار میں ہے: "(وكفى مطلق نية الصلاة) وإن لم يقل لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراويح) على المعتمد۔۔۔(ولا بد من التعيين عند النية) فلو جهل الفرضية لم يجز؛ ولو علم ولم يميز الفرض من غيره، إن نوى الفرض في الكل جاز، وكذا لو أم غيره فيما لا سنة قبلها (لفرض) أنه ظهر أو عصر قرنه باليوم أو الوقت اولا۔۔۔(ولو) الفرض (قضاء) لكنه يعين ظهر يوم كذا على المعتمد، والأسهل نية أول ظهر عليه أو آخر ظهر، (وواجب) أنه وتر أو نذر أو سجود تلاوة وكذا شكر۔۔(دون) تعيين (عدد ركعاته) لحصولها ضمنا، فلا يضر الخطأ في عددها۔۔۔(ولو نوى فرض الوقت) مع بقائه (جاز إلا في الجمعة)"

ترجمہ: نفل، سنت مؤکدہ اور معتمد قول کے مطابق تراویح کے لیے مطلق نماز کی نیت کافی ہے اگرچہ "اللہ کے لیے" نہ کہا ہو۔ اور فرض نماز کی نیت کے وقت تعیین ضروری ہے۔ (پس اگر وہ فرضیت سے جاہل ہو تو نماز جائز نہیں اور اگر فرضیت کا علم ہو لیکن فرض کو اس کے غیر سے ممتاز نہ کیا تو اگر سب میں فرض کی نیت کی تو جائز ہے اور اسی طرح اگر غیر کی امامت کی ان نمازوں میں جن سے قبل سنتیں نہیں ہیں۔) یوں تعیین کی کہ وہ ظہر ہے یا عصر ہے، چاہے اسے دن یا وقت کے ساتھ ملایا ہو یا نہ ملایا ہو اگرچہ وہ فرض نماز قضا ہو لیکن قضا میں وہ معتمد قول کے مطابق یہ تعیین کرے گا کہ فلاں دن کی ظہر اور آسان یہ ہے کہ اس پہلی یا آخری ظہر کی نیت کرلے جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے۔ اور واجب میں یہ تعیین ضروری ہے کہ وہ وتر ہے یا نذر یا سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر۔ رکعات کی تعداد معین کرنا ضروری نہیں کیونکہ ان کی تعیین ضمنا حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا ان کی تعداد میں خطا مضر نہیں ہے اور اگر وقت میں وقتی فرض کی نیت کی تو جمعہ کے علاوہ نمازوں میں جائز ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله قرنه باليوم أو الوقت أولا) أي لم يقرنه بشيء منهما؛۔۔۔، أما إن قرنه باليوم بأن نوى ظهر اليوم فيصح في الصور الثلاث كما سيذكره الشارح. وأما إن قرنه بالوقت بأن نوى ظهر الوقت، فإن كان في الوقت

صح قولا واحدا، ۔۔وإن کان خارجه مع الجهل فلا يصح كما في الفتح والخانية والخلاصة وغيرها، وبه جزم المصنف والشارح فيما سيأتي، وهو الذي فهمه في النهر من عبارة الزيلعي ۔۔۔قال في الحلية ۔۔۔والصواب ما في المشاهير من أنه لا يصح. وأما إذا لم يقرنه بشيء بأن نوى الظهر وأطلق، فإن كان في الوقت ففيه قولان مصححان قيل لا يصح لقبول الوقت ظهر يوم آخر ۔۔۔ (قوله لكنه يعين إلخ) أي يعين الصلاة ويومها أشباه، وهذا عند وجود المزاحم، أما عند عدمه فلا كما لو كان في ذمته ظهر واحد فائت فإنه يكفيه أن ينوي ما في ذمته من الظهر الفائت وإن لم يعلم أنه من أي يوم حلية فافهم ۔۔۔(قوله والأسهل إلخ) أي فيما إذا وجد المزاحم كظهرين من يومين جهل تعيينهما ۔۔۔(قوله أو نذر) هو قد يكون منجزا أو معلقا على نحو شفاء مريض أو قدوم غائب فالظاهر أنه لا بد من تعيينه بذلك لاختلاف أسبابه واختلاف أنواع ما علق عليه بدليل عدم الاكتفاء في الفرض بدون تخصيصه بنحو الظهر أفاده ح. قلت: هذا إنما يظهر عند وجود المزاحم، كما لو كان عليه نذر منجز ومعلق أو نذران علقا على أمرين، وإلا فلا كما قدمناه آنفا عن الحلية في قضاء الفائتة فافهم (قوله أو سجود تلاوة) إلا إذا تلاها في الصلاة وسجدها فورا، ولا يجب تعيين السجدات التلاوية لو تكررت التلاوة كما سيأتي في بابه إن شاء الله تعالى (قوله وكذا شكر بخلاف سهو) الذي رأيته في النهر بحثا عكس ما ذكره الشارح، ولعل الأوجه ما هنا بالنسبة إلى سجود الشكر فقط لأن السجود قد يكون لسبب كالتلاوة والشكر، وقد يكون بدونه كما يفعله العوام بعد الصلاة وهو مكروه كما نص عليه الزاهدي، فلما وجد المزاحم لا بد من التعيين لبيان السبب وإلا كان مكروها اتفاقا. ۔۔۔ثم رأيت في الأشباه قال: ولا تصح صلاة مطلقا إلا بنية ثم قال: وسجود التلاوة كالصلاة، وكذا سجدة الشكر وسجود السهو اهـ ولعل هذا هو الأظهر. ۔۔۔وإن خارجه مع العلم بخروجه فقال ح لا يجوز. قلت: وهو المتبادر من قول الأشباه عن البناية لو نوى فرض الوقت بعد ما خرج الوقت لا يجوز "ترجمہ: ان کا قول: اسے دن یا وقت سے ملایا ہو یا نہ ملایا ہو یعنی ان دونوں میں سے کسی چیز سے نہ ملایا ہو، بہر حال اگر دن کے ساتھ ملا کر اس طرح نیت کی کہ آج کی ظہر تو یہ تین صورتوں میں درست ہے جیسا کہ عنقریب اسے شارح ذکر کریں گے اور اگر وقت کے ساتھ ملا کر اس طرح نیت کی کہ وقت کی ظہر تو اگر وقت میں ہو تو ایک قول کے مطابق درست ہے اور اگر وقت کے بعد ہو اور اسے وقت کا نکل جانا معلوم نہ ہو تو درست نہیں جیسا کہ فتح، خانیہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے اور اسی پر مصنف اور شارح نے اُس کلام میں جزم فرمایا ہے جو عنقریب آئے گا۔ اور یہ وہی ہے جو انھوں نے نہر میں موجود زیلعی کی عبارت سے سمجھا ہے۔ حلیہ میں فرمایا: اور درست وہ ہے جو مشہور کتابوں میں ہے یعنی یہ درست نہیں ہے اور اگر کسی چیز سے ملائے بغیر مطلق ظہر کی نیت کی تو وہ وقت میں ہو تو اس میں دو تصحیح شدہ اقوال ہیں، ایک قول ہے کہ درست نہیں کیونکہ وقت دوسرے دن کی ظہر کو بھی قبول کرتا ہے۔ ان کا قول: لیکن وہ معین کرے گا الخ یعنی نماز اور اس کے دن کو، اشباہ۔ اور یہ مزاحم کے پائے جانے کے وقت ہے اگر کوئی مزاحم نہ ہو تو ضروری نہیں جیسا کہ اگر اس کے ذمہ صرف ایک فوت شدہ ظہر ہو تو اس کو ذمہ پر لازم فوت شدہ ظہر کی نیت کافی ہے، اگرچہ وہ نہ جانتا ہو کہ یہ کس دن کی ہے، حلیہ۔ تو اسے سمجھ لو۔ ان کا قول: اور آسان یہ ہے الخ یعنی مزاحم پائے جانے کی صورت میں جیسے دو ایسے دنوں کی دو ظہر کی نمازیں جن کی تعیین سے وہ جاہل ہے۔ ان کا قول: یا نذر۔ یہ کبھی بغیر تعلیق کے ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز مثلاً مریض کی شفا یا غائب کے آنے پر معلق ہوتی ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس کے اسباب اور جن اشیا پر اسے معلق کیا جاتا ہے ان کی انواع مختلف ہونے کی وجہ سے واجب کو اس کے ساتھ معین کرنا ضروری ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فرض مثلاً ظہر میں اس کی تخصیص کے بغیر اکتفا نہیں

ہوتا۔ علامہ حموی نے اس کا افادہ فرمایا۔ میں نے کہا: یہ مزاحم کے موجود ہونے کے وقت تو ظاہر ہے جیسا کہ اگر اس پر ایک غیر معلق نذر ہو اور ایک معلق نذر ہو یا دو مختلف امور پر معلق دو نذریں ہوں اور اگر مزاحم نہ ہو تو یہ ظاہر نہیں جیسا کہ ہم نے اسے ابھی پیچھے فوت شدہ کی قضا کے مسئلہ میں حلیہ سے ذکر کیا تو اسے سمجھ لو۔ (ان کا قول: یا سجود تلاوت) مگر جب اس نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور فوراً سجدہ کر لیا۔ اور اگر کئی مرتبہ تلاوت کی ہو تو سجدوں میں تعیین کرنا واجب نہیں ہے، جیسا کہ اس کے باب میں ان شاء اللہ آئے گا۔ (ان کا قول: اسی طرح سجود شکر بر خلاف سجود سہو کے) نہر میں جو میں نے بطور بحث دیکھا وہ اس کے الٹ ہے جو شارح نے ذکر کیا۔ اور شاید کہ جو یہاں ہے وہ صرف سجود شکر کے اعتبار سے اَوجہ (باعتبار دلیل زیادہ ظاہر) ہے۔ اس لیے کہ سجدے کبھی کسی سبب سے ہوتے ہیں جیسے تلاوت اور شکر اور کبھی بغیر سبب کے ہوتے ہیں جیسے عوام نماز کے بعد کرتے ہیں، حالانکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ زاہدی نے اس پر نص فرمائی ہے۔ پس جب مانع پایا گیا تو بیانِ سبب کے لیے تعیین ضروری ہے ورنہ یہ بالاتفاق مکروہ ہو گا۔ پھر میں نے اشباہ میں دیکھا، انھوں نے فرمایا: نماز مطلقانیت کے بغیر درست نہیں پھر فرمایا: سجود تلاوت نماز کی طرح ہیں، اسی طرح سجدہ شکر اور سہو کے سجدے۔ اور شاید کہ یہی اظہر ہے۔ اور اگر وقت کے بعد ہو اور وقت ختم ہونے کا علم بھی ہو تو علامہ حموی نے فرمایا جائز نہیں۔ میں نے کہا: بنایہ سے منقول اشباہ کے اس قول سے یہی متبادر ہے کہ اگر وقت ختم ہو جانے کے بعد وقت کے فرض کی نیت کی تو جائز نہیں۔ (الدر المختار مع رد المحتار، ج02، 116 تا 120، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے "وتر میں فقط وتر کی نیت کافی ہے، اگرچہ اس کے ساتھ نیتِ وجوب نہ ہو، ہاں نیتِ واجب اولیٰ ہے، البتہ اگر نیتِ عدمِ وجوب ہے تو کافی نہیں۔" (بہار شریعت، ج01، حصہ 03، ص498، مکتبۃ المدینہ)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: "ولو صلى ركعتين وهو يظن أن الفجر لم يطلع ثم تبين أنه قد طلع فإنه يجزئه عن ركعتي الفجر ولا ينبغي أن يعيد." ترجمہ: اگر یہ گمان کرتے ہوئے کہ فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی، دو رکعتیں پڑھیں پھر واضح ہوا کہ فجر تو طلوع ہو چکی تھی تو یہ فجر کی سنتوں کی طرف سے کفایت کر جائیں گی، اور انھیں دوبارہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ (الجوہرۃ النیرۃ، ج01، ص186، کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے: " ولا يخفى أن الأربع التي تصلى بعد الجمعة على أنها آخر ظهر عليه للشك في الجمعة إذا تبين صحة الجمعة فإنها تنوب عن سنتها على قول الجمهور؛ لأنه يلغو الوصف ويبقى الأصل وبه تتأدى السنة "ترجمہ: یہ مخفی نہیں ہے کہ جمعہ کے بعد کی چار رکعتیں جو جمعہ میں شک کی وجہ سے آخری لازم شدہ ظہر کے طور پر پڑھی جاتی ہیں' جب جمعہ کا صحیح ہونا واضح ہو جائے تو جمہور کے قول کے مطابق یہ جمعہ کی سنتوں کے قائم مقام ہو جائیں گی کیونکہ وصف لغو ہو جاتا ہے اور اصل باقی رہتی ہے اور اسی سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (بحر الرائق، باب شروط الصلاۃ، ج01، ص485، کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے: "وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرى وتم فرضه" --- وإنما يضم إليها أخرى لتصير الركعتان نفلا لأن الركعة الواحدة لا تجزئه لنهيه عليه الصلاة والسلام عن البتيراء ثم لا تنوبان عن سنة الظهر وهو الصحيح لأن المواظبة عليها بتحريمة مبتدأة "ترجمہ: اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا پھر یاد آیا تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملالے اور اس کے فرض تام ہو گئے، اس کے ساتھ مزید ایک رکعت اس لیے ملائی جائے گی تاکہ یہ دونوں نفل ہو جائیں کیونکہ ایک رکعت نفل نہیں ہو سکتی

اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ادھوری نماز سے منع فرمایا ہے پھر یہ دو رکعتیں ظہر کی سنتوں کے قائم مقام نہیں ہوں گی اور یہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ابتدائی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ان پر مواظبت فرمائی ہے۔

(ہدایہ، باب سجود السہو، ج01، ص166، لاہور)

بہار شریعت میں ہے:" اگر کسی نے اس دن کو دوسرا دن گمان کر لیا، مثلاً وہ دن پیر کا ہے اور اس نے اسے منگل سمجھ کر منگل کی ظہر کی نیت کی، بعد کو معلوم ہوا کہ پیر تھا، نماز ہو جائے گی۔(غنیہ) یعنی جبکہ آج کا دن نیت میں ہو کہ اس تعیین کے بعد پیر یا منگل کی تخصیص بے کار ہے اور اس میں غلطی مضر نہیں، ہاں اگر صرف دن کے نام ہی سے نیت کی اور آج کے دن کا قصد نہ کیا، مثلاً منگل کی ظہر پڑھتا ہوں، تو نماز نہ ہو گی اگرچہ وہ دن منگل ہی کا ہو کہ منگل بہت ہیں۔(ازافادات رضویہ)" (بہار شریعت، ج01، حصہ 03، ص494، مکتبۃ المدینہ)

(ب)روزے میں تعیین وعدم تعیین

(الف)مقیم صحیح نے رمضان کے مہینے میں مطلق نیت سے روزہ رکھا؛ یا فرض، یا واجب، یا قضا، غرض کسی نیت سے بھی روزہ رکھا، اس کا رمضان کا ادا روزہ ہی ہو گا۔

(ب)رمضان کا ادا روزہ، نفل، اور نذر معین، یہ تینوں مطلق نیت سے بھی ہو جاتے ہیں، اور نفل کی نیت سے بھی، اور اس دن کے روزے کی نیت سے بھی۔(ج)مسافر اور مریض، رمضان میں اگر رمضان کے ادا، یا مطلق روزے کی نیت سے روزہ رکھیں گے، تو ان کا رمضان کا ادا روزہ ہو گا۔ لیکن اگر نفل، یا قضا، یا کسی اور واجب، کی نیت سے رکھیں گے، تو جو نیت کریں گے وہی ہو گا۔ رمضان کا ادا روزہ نہیں ہو گا۔

(د)نذر معین کے دن کسی اور واجب کی نیت سے روزہ رکھا، تو جس کی نیت کی وہی ہو گا، نذر کا نہیں ہو گا۔ لہذا نذر کی قضا کرنا ہو گی۔(ہ) ایک رمضان کے روزے قضا ہوئے یا ایک سے زائد رمضانوں کے، اور ایک ہی روزہ ہو یا زائد، یہ سب مطلق رمضان کی قضا کی نیت سے ہو جائیں گے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ایک سے زائد رمضانوں کے ہوں تو سال کی تعیین کرے، اور ایک سے زائد روزے ہوں تو ان میں بھی تعیین کرے کہ پہلا یا آخری۔(و)رمضان کا روزہ قصداً توڑا تھا، جس کی وجہ سے اس روزے کی قضا، اور ساٹھ روزوں کا کفارہ، اس پر لازم آیا۔ اس نے اکسٹھ روزے رکھ لیے، لیکن قضا کا دن معین نہ کیا، تو کفایت کر جائے گا۔(ز)روزوں میں بھی قضا کے لیے قضا کی نیت ضروری نہیں، کہ ادا کی نیت سے بھی قضا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ادائے رمضان میں بھی ادا کی نیت ضروری نہیں، بلکہ قضا کی نیت سے بھی ہو جاتے ہیں۔ لہذا

اگر کوئی دار الحرب میں قیدی ہر سال یہ سوچ کر کہ رمضان آگیا، رمضان کے روزے رکھتا رہا، اور رات سے ہی نیت کرتا رہا، تو اگر ہر سال رمضان سے پہلے روزے رکھتا رہا؛ تو پہلے رمضان کے تو نہ ہوئے، کہ رمضان سے پہلے رمضان کے روزے نہیں ہو سکتے، اور بقیہ رمضانوں میں جو رکھے؛ اگر ان میں یہ تعیین نہ کی کہ اس سال کے رمضان کے رکھتا ہوں، بلکہ مطلق رمضان کی نیت سے رکھے، تو ہر اگلے سال میں پچھلے سال کے قضا ہو گئے۔

پھر اگر اس کے روزے شوال میں واقع ہوئے، اور نیت رات سے کرتا رہا، تو بھی ہو گئے۔ ہاں، اگر اس سال رمضان اور شوال دونوں 30،30 کے تھے یا 29،29 کے تو ایک روزہ مزید رکھے۔ لیکن اگر رمضان 30 کا اور شوال 29 کا تو دو مزید رکھے، اور اگر رمضان 29 کا اور شوال 30 کا، تو پورے ہو گئے۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:" جاز صوم رمضان، والنذر المعين، والنفل بنية ذلک اليوم أو بنية مطلق الصوم أو بنية النفل من الليل إلى ما قبل نصف النهار۔۔۔وإذا نوى واجبا آخر في يوم رمضان يقع عن رمضان، ۔۔۔النذر المعين إذا صامه بنية واجب آخر كقضاء رمضان والكفارة كان عن الواجب وعليه قضاء ما نذر كذا في السراج الوهاج، وهو الأصح كذا في البحر الرائق ۔۔۔ إذا وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد ينبغي أن ينوي أول يوم وجب عليه قضاؤه من هذا الرمضان، وإن لم يعين الأول يجوز، وكذا لو كان عليه قضاء يومين من رمضانين هو المختار، ولو نوى القضاء لا غير يجوز، وإن لم يعين كذا في الخلاصة. إذا أفطر رمضان متعمدا، وهو فقير فصام أحدا وستين يوما للقضاء والكفارة، ولم يعين اليوم للقضاء جاز كذا ذكره الفقيه أبو الليث كذا في فتاوى قاضي خان. "ترجمہ: رمضان، نذر معین اور نفل کا روزہ رات سے نصف نہار سے پہلے تک اس دن کی نیت یا مطلق روزے کی نیت یا نفل کی نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور جب رمضان کے دن میں کسی اور واجب کی نیت کی تو وہ رمضان کا روزہ ہو گا اور نذر معین والے دن جب کسی دوسرے واجب مثلاً قضاء رمضان اور کفارہ کی نیت کی تو یہ روزہ اسی واجب کی طرف سے ہو گا اور نذر کی قضا اس پر لازم ہو گی، سراج الوہاج میں اسی طرح ہے۔ اور یہی اصح ہے، بحر الرائق میں اسی طرح ہے۔ جب اس پر ایک ہی رمضان کے دو دنوں کی قضا واجب ہو تو مناسب یہ ہے کہ وہ اس طرح نیت کرے کہ اس رمضان کے اس پہلے دن کا روزہ جس کی قضا اس پر لازم ہے اور اگر اس نے پہلے کو معین نہ کیا تو بھی جائز ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے، اگر اس پر دو رمضانوں کے دو دنوں کی قضا ہو، یہی مختار ہے۔ اور اگر صرف قضا کی نیت کی، اس کے علاوہ کسی چیز کی نیت نہ کی تو جائز ہے، اگرچہ معین نہ کیا ہو، خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ جب رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا اور وہ فقیر ہے تو اس نے قضا اور کفارے کے لیے اکسٹھ روزے رکھے اور قضا کے دن کو معین نہ کیا تو جائز ہے، فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا، فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی عالمگیریہ، ج01، ص196، 195، کوئٹہ)

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:" ولو اشتبه على المأسور شهر رمضان فصام متحريا جاز إن كان بعده ونوى من الليل سوى يوم العيد، وأيام التشريق، ولا يجوز قبله كذا في محيط السرخسي ولا تشترط نية القضاء، وهو الصحيح؛ لأنه نوى ما عليه من صوم رمضان هكذا في البدائع فإذا وافق صومه شوالا فإن كانا كاملين أو ناقصين فعليه قضاء يوم، وإن كان رمضان كاملا، وشوال ناقصا فعليه قضاء يومين، وإن كان رمضان ناقصا، وشوال كاملا لم يلزمه شيء ۔۔۔ولو صام رمضان في دار الحرب سنين لا يجوز صوم السنة الأولى بالاتفاق، وهل يجوز صوم السنة الثانية قضاء عن الأولى والثالثة قضاء عن الثانية قال الفقيه أبو جعفر إن نوى صوم رمضان مبهما يجوز، وإن نوى عن الثانية مفسرا لا يجوز، وهو الأصح هكذا في محيط السرخسي "ترجمہ: اگر قیدی پر رمضان کا مہینہ مشتبہ ہو گیا پس اس نے تحری کر کے روزے رکھے اگر تو وہ روزے رمضان کے بعد ہوئے اور اس نے نیت رات سے کی تھی تو یکم شوال اور ایام تشریق کے علاوہ اس کے روزے ادا ہو گئے، اور اگر وہ روزے رمضان سے پہلے واقع ہوئے تو ادا نہ ہوئے، محیط سرخسی میں اسی طرح ہیں۔ اور قضا کی نیت کی شرط نہیں ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے رمضان کے اس روزے کی نیت کی ہے جو اس پر لازم ہے، بدائع میں اسی طرح ہے۔ پس جب اس کے روزے شوال میں ہوئے تو اگر دونوں مہینے 30 کے تھے یا دونوں 29 کے تھے تو اس پر ایک روزے کی قضا لازم ہے۔ اور اگر رمضان 30 کا تھا اور شوال 29 کا تو اس پر دو دنوں کی قضا لازم ہے۔ اور اگر رمضان 29 کا تھا اور شوال 30 کا تو اس پر کوئی قضا لازم نہیں اور اگر اس نے کئی سال دار الحرب میں رمضان کے روزے رمضان سے پہلے رکھے تو پہلے سال کے بالاتفاق ادا نہ ہوئے

، لیکن کیا دوسرے سال کے روزے پچھلے سال کی قضا کے طور پر درست ہوئے اور تیسرے سال کے دوسرے سال کی قضا کے طور پر تو فقیہ ابو جعفر نے فرمایا اگر اس نے مبہم رمضان کی نیت کی تو جائز ہے (یعنی ادا ہو گئے) اور اگر دوسرے (سال میں اسی) سال کی طرف سے مفسر نیت کی تو جائز نہیں (یعنی ادا نہ ہوئے) اور یہی اصح ہے، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی عالمگیریہ، ج01، ص196، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(إلا) إذا وقعت النية (من مريض أو مسافر) حيث يحتاج إلى التعيين لعدم تعينه في حقهما فلا يقع عن رمضان (بل يقع عما نوى) من نفل أو واجب (على ما عليه الأكثر) بحر وهو الأصح سراج، وقيل بأنه ظاهر الرواية فلذا اختاره المصنف تبعا للدرر" ترجمہ: مگر جب نیت کسی مریض یا مسافر کی طرف سے ہو کیونکہ ان دونوں کے حق میں رمضان کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے تعیین کی حاجت ہو گی لہٰذا یہ رمضان کی طرف سے نہیں ہو گا بلکہ اکثر علما کے موقف کے مطابق اس نے جس نفل یا واجب کی نیت کی اس کی طرف سے ہو گا، بحر۔ اور یہی اصح ہے، سراج۔ اور کہا گیا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے مصنف نے درر کی اتباع کرتے ہوئے اسے اختیار کیا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، ج03، ص395، کوئٹہ)

(ج) حج میں تعیین وعدم تعیین

(الف) اگر فرض حج ابھی ادا نہیں کیا اور مطلق حج کی نیت سے احرام باندھا، نہ فرض کی نیت کی اور نہ نفل کی، تو فرض حج ادا ہو گا۔ (ب) البتہ اگر حج بدل، یا نفل، یا منت کی نیت کی تو جو نیت کی اسی کا ہو گا، اگرچہ ابھی فرض حج ادا نہ کیا ہو۔ (ج) حج کی نیت سے احرام باندھا، یہ تعیین نہ کی کہ کس سال کا ہے، تو اسی سال کا قرار پائے گا۔ (د) حج میں ادا و قضا کی تمیز شرط نہیں ہونی چاہیے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "وإذا أحرم بحجة، وعليه حجة الإسلام ولم ينو فرضا ولا تطوعا فهي عن حجة الإسلام تتأدى بمطلق النية كذا في الظهيرية.۔۔۔ ولو أحرم بحجة ينصرف إلى حجة هذه السنة كذا في محيط السرخسي." ترجمہ: جب حج کا احرام باندھا اور اس پر حج اسلام لازم ہے اور اس نے فرض کی نیت نہ کی اور نفل کی بھی نیت نہ کی تو جو مطلق نیت سے ادا کیا گیا وہ فرض حج ادا ہو گا، ظہیریہ میں اسی طرح ہے اور اگر حج کا احرام باندھا تو وہ اس سال کے حج کی طرف پھرے گا، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، ج01، ص223، کوئٹہ)

الاشباہ والنظائر میں ہے: " واما الحج: فينبغي ان لا تشترط فيه نية التمييز بين الاداء والقضاء " ترجمہ: حج میں مناسب یہ ہے کہ ادا و قضا میں فرق کرنے کی نیت کی شرط نہ لگائی جائے۔ (الاشباہ والنظائر، ص43، مطبوعہ کراچی)

مناسک ملا علی قاری میں ہے: "(ولو نوى) اى الحج (عن الغير او النذر او النفل) اى التطوع (كان) اى حجه (عما نوى) اى مما عين له (وان لم يحج للفرض) اى لحجة الاسلام بعد" ترجمہ: اگر کسی دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کی یا نذر یا نفل کی نیت کی تو اس کا حج اسی کی طرف سے ہو گا جس کے لیے اس نے معین کیا، اگرچہ اس نے ابھی تک فرض حج ادا نہ کیا ہو۔

(مناسک ملا علی قاری، باب الاحرام، فصل: فی ابہام النیۃ واطلاقھا، ص108، کراچی)

(د تا ح) زکوۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر اور کفارات میں تعیین وعدم تعیین

یہ عبادات قضا ہوتی ہی نہیں۔ یہ جب بھی ادا کی جائیں گی ادا ہی ہوں گی۔ لہذا ان میں ادا کی تعیین کرنا ضروری نہیں۔

(ط) جمعہ میں تعیین وعدم تعیین

اسی طرح جمعہ کو بھی قضا سے موصوف نہیں کیا جاتا کہ اگر وہ رہ جائے تو اس کے بدلے ظہر ادا کی جاتی ہے۔ تو جمعہ میں بھی ادا کی تعیین ضروری نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "وأما نية الأداء والقضاء ۔۔۔ما لا يوصف بهما لا تشترط له كالعبادة المطلقة عن الوقت كالزكاة وصدقة الفطر والعشر والخراج والكفارات، وكذا ما لا يوصف بالقضاء كصلاة الجمعة فلا التباس لأنها إذا فاتت مع الإمام يصلي الظهر "ترجمہ: ادا اور قضا کی نیت: جو عبادات ان دونوں سے موصوف نہیں ہوتیں، ان کے لیے یہ شرط نہیں ہیں جیسے وہ عبادات جو وقت سے مقید نہیں ہیں جیسے زکاۃ، صدقہ فطر، عشر، خراج اور کفارات اور اسی طرح وہ عبادات جو قضا سے موصوف نہیں ہوتیں جیسے جمعہ کی نماز، تو مشتبہ ہونا نہیں ہے کیونکہ جب امام کے ساتھ جمعہ نہ ملے تو وہ ظہر پڑھے گا۔ (الاشباہ والنظائر، ص42، کراچی)

(ی) تیمم میں تعیین وعدم تعیین

جنابت اور حدث کے تیمم کے لیے، دونوں کی علیحدہ علیحدہ، تعیین کرنا ضروری نہیں۔ اگر جنابت والے نے وضو کی نیت سے تیمم کیا، تو تیمم درست ہو جائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: " ولا يجب التمييز بين الحدث والجنابة حتى لو تيمم الجنب يريد به الوضوء جاز. كذا في التبيين وفي النصاب وعليه الفتوى. كذا في التتارخانية. "ترجمہ: حدث اور جنابت میں فرق کرنا واجب نہیں ہے حتی کہ اگر جنبی نے وضو کے ارادے سے تیمم کیا تو جائز ہے، تبیین میں اسی طرح ہے اور نصاب میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ تتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، ج01، ص26، کوئٹہ)

نوٹ

تعیین وعدم تعیین کا ضابطہ

تعیین، مختلف اجناس کے درمیان تمیز کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ لہذا ایک جنس کی عبادات میں تعیین کی ضرورت نہیں، بلکہ تعیین لغو ہے۔ اور مختلف اجناس کی عبادات میں تعیین لغو نہیں بلکہ ضروری ہے۔ لہذا اس کے مطابق تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اگر دو عورتوں کے ظہار کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا، لیکن یہ تعیین نہ کی کہ یہ غلام کس عورت کے ظہار کی طرف سے ادا کیا گیا ہے، تب بھی کفارہ ادا ہو گیا، اور اسے اختیار ہے کہ یہ جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے۔ (ب) دو ظہاروں کی طرف سے دو غلام آزاد کیے، یا چار ماہ کے روزے رکھے، یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا، لیکن یہ تعیین نہ کی کہ کون سا کفارہ کس ظہار کی طرف سے ہے، تو یہ مضر نہیں، کفارے ادا ہو گئے۔ (ج) اگر کسی کے ذمہ، ظہار اور قتل کے، دو کفارے تھے۔ اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا۔ کسی ایک کی تعیین نہ کی۔ تو کسی کی طرف سے بھی ادا نہ ہوا، کہ جنس مختلف ہونے کے سبب تعیین ضروری ہے۔ (د) رمضان کے دو روزے قضا تھے۔ بغیر دن کی تعیین کیے ایک روزہ رکھ لیا، تو درست ہو گیا کہ ایک ہی جنس ہے۔ لہذا تعیین کی ضرورت نہیں۔ (ہ) قضاء اور منت کے روزے ہیں، تو جو روزہ رکھے اس میں ان کی تعیین ضروری ہے۔ (و) کسی کے پاس سونا اور چاندی دونوں کے نصاب تھے۔ اس نے سال مکمل ہونے سے پہلے ایک کی زکاۃ ادا کی، تو وہ

دونوں کی شمار ہو گی۔ بایں معنی کہ اگر سال مکمل ہونے سے پہلے ایک نصاب ہلاک ہو گیا، تو یہ زکاۃ دوسرے کی قرار پائے گی، اگرچہ جو مال ہلاک ہوا خاص اسی کی نیت سے زکاۃ ادا کی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سونا چاندی ایک جنس ہیں، لہذا تعیین لغو ہے۔ (ز) اگر گائے، اونٹ، بکری، ان کے الگ الگ نصاب تھے اور سال گزرنے سے پہلے ایک کی طرف سے زکاۃ ادا کی، تو وہ صرف اسی کی قرار پائے گی۔ یعنی اگر جس کی نیت سے زکاۃ دی تھی، وہ سال مکمل ہونے سے پہلے ہلاک ہو گیا، تو ادا کی گئی زکاۃ دوسرے نصاب کی طرف سے واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں۔ تو یہاں تعیین لغو نہیں۔

بحر الرائق میں ہے: "وفي الظهيرية ---- لو كفر عن ظهار امرأتين بتحرير رقبة كان له أن يجعل عن أيتهما شاء. اهـ."
ترجمہ: ظہیریہ میں ہے: اگر دو بیویوں کے ظہار کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اسے ان میں سے جس کی طرف سے چاہے قرار دے دے۔ (بحر الرائق، باب شروط اداء الزکاۃ، ج02، ص371، کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے: "(ومن وجبت عليه كفارتا ظهار فأعتق رقبتين لا ينوي عن إحداهما بعينها جاز عنهما، وكذا إذا صام أربعة أشهر أو أطعم مائة وعشرين مسكينا جاز) لأن الجنس متحد فلا حاجة إلى نية معينة (وإن أعتق عنهما رقبة واحدة أو صام شهرين كان له أن يجعل ذلك عن أيهما شاء، وإن أعتق عن ظهار و قتل لم يجز عن واحد منهما)----ولنا أن نية التعيين في الجنس المتحد غير مفيد فتلغو، وفي الجنس المختلف مفيدة، واختلاف الجنس في الحكم وهو الكفارة هاهنا باختلاف السبب. نظير الأول إذا صام يوما في قضاء رمضان عن يومين يجزيه عن قضاء يوم واحد. ونظير الثاني إذا كان عليه صوم القضاء والنذر فإنه لا بد فيه من التمييز" ترجمہ: اور جس پر ظہار کے دو کفارے لازم ہوئے پھر اس نے دو غلام اس طرح آزاد کیے کہ ان میں سے ایک معین کی طرف سے نیت نہیں کی تو وہ دونوں کی طرف سے ہو گئے اور اسی طرح جب چار مہینے کے روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے، کیونکہ جنس ایک ہے لہذا معین نیت کی حاجت نہیں ہے اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو مہینے کے روزے رکھے تو اسے اختیار ہو گا کہ وہ جس کی طرف سے چاہے اسے قرار دے دے اور اگر ظہار اور قتل کی طرف سے آزاد کیا تو ان میں سے ایک کی طرف سے جائز نہیں ہو گا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں معین کرنے کی نیت مفید نہیں ہے تو ایسی نیت لغو ہو جاتی ہے اور مختلف جنس میں مفید ہے اور حکم، جو کہ یہاں کفارہ ہے اس کے معاملے میں جنس کا مختلف ہونا سبب کے اختلاف کے ذریعے ہے۔ پہلی کی نظیر یہ ہے کہ جب رمضان کے دو دنوں کی قضا کی طرف سے ایک ہی دن کا روزہ رکھا، تو وہ ایک دن کی قضا کی طرف سے کفایت کر جائے گا اور دوسری کی نظیر یہ ہے کہ جب اس پر قضا اور نذر کا روزہ لازم ہو تو فرق کرنا ضروری ہے۔ (الہدایۃ، ج02، ص422، لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "رجل له نصابا ذهب، وفضة عجل عن أحدهما يقع عنهما لأن التعيين لغو لاتحاد الجنس بدليل الضم، وإن هلك أحدهما تعين الآخر كذا في الكافي. ولو ملك نصبا من حيوانات مختلفة فعجل زكاة البعض فهلك المؤدى عنه لا يقع عن الباقي كذا في محيط السرخسي." ترجمہ: جس شخص کے پاس سونے اور چاندی کا نصاب ہو، اور اس نے ان میں سے ایک کی زکاۃ پہلے دیدی تو وہ دونوں کی طرف سے ہو گی کیونکہ تعیین لغو ہے اس لیے کہ جنس ایک ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے اور اگر ان میں سے ایک ہلاک ہو گیا تو دوسرا متعین ہو گیا، کافی میں اسی طرح ہے اور اگر مختلف جانوروں کے نصاب

کا مالک ہو، پس اس نے بعض کی زکاۃ پہلے دے دی پھر جس کی طرف سے زکاۃ دی تھی وہ ہلاک ہو گیا تو وہ باقیوں کی طرف سے شمار نہیں ہو گی، محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج01، ص176، کوئٹہ)

اونٹ، گائے اور بکری، میں سے ایک کی تعیین کے ساتھ زکاۃ ادا کرنے والے مسئلے کی تعلیل محیط برھانی میں یوں درج ہے:" بخلاف ما إذا كان نصاب غنم ونصاب إبل، وعجل زكاة أحدهما؛ لأن هناك التعيين قد صح لأن الجنس مختلف، ولهذا لا يضم أحدهما إلى الآخر، والتعيين في الجنس المختلف صحيح." ترجمہ: برخلاف اس کے کہ جب بکریوں اور اونٹوں کا نصاب ہو اور ان میں سے ایک کی زکاۃ پہلے دے دی کیونکہ یہاں تعیین درست ہے، کیونکہ جنس مختلف ہے اور اسی وجہ سے ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا اور مختلف جنس میں تعیین درست ہے۔ (محیط برھانی، ج02، ص424، کوئٹہ)

تعیین میں خطا

۱: جس کی تعیین ضروری نہیں، اس کی تعیین میں خطا ہونا مضر نہیں۔ لہذا

(الف) تعداد رکعات کی تعیین ضروری نہیں، تو اگر شمار رکعات میں خطا ہوئی تو وہ نقصان دہ نہیں، لہذا ظہر کی پانچ رکعات کہہ کر نماز ادا کی تو نماز ادا ہو جائے گی۔ (ب) نماز میں ادا و قضا کی تعیین ضروری نہیں، لہذا یہ گمان کیا کہ نماز کا وقت باقی ہے، لہذا آج کی ظہر ادا کی نیت سے پڑھی بعد میں پتا چلا کہ وقت نکل چکا تھا تو نماز ادا ہو گئی۔ اسی طرح اگر گمان کیا کہ وقت ختم ہو گیا تو آج کی ظہر قضا کی نیت سے پڑھی اور بعد میں پتا چلا کہ وقت باقی تھا تو نماز ادا ہو گئی۔ (ج) روزے میں بھی ادا و قضا کی تعیین ضروری نہیں، لہذا صحیح مقیم نے اداء رمضان کا روزہ قضا کی نیت سے رکھا تو ادا کا درست ہو گیا۔ اسی طرح قضا روزہ ادا کی نیت سے رکھا تو وہ بھی درست ہو گیا۔ (د) اسی طرح گواہی میں جن چیزوں کی تعیین ضروری نہیں، ان میں خطا مضر نہیں، مثلاً قاضی نے گواہوں سے گھوڑے کے رنگ کے بارے میں سوال کیا انہوں نے مثلاً سیاہ کہا، پھر ادائے شہادت کے وقت سرخ رنگ کا ذکر کیا تو مضر نہیں۔

۲: جہاں تعیین ضروری ہے، وہاں خطا مضر ہے۔ لہذا

(الف) روزہ، نماز کی نیت سے درست نہیں ہو سکتا اور نماز، روزے کی نیت سے درست نہیں ہو سکتی۔ (ب) اسی طرح عصر کی نماز، ظہر کی نیت سے نہیں ہو سکتی۔ (ج) کسی دن کی قضا، اس سے پہلے دن کی نیت سے درست نہیں ہو سکتی۔ لہذا کسی کے ذمے اتوار کی نماز تھی، مگر اس کو گمان ہوا کہ ہفتہ کی ہے اور ہفتہ کی نیت سے پڑھی بعد کو معلوم ہوا کہ اتوار کی تھی، تو ادا نہ ہوئی۔ (د) اسی طرح امام کی تعیین میں خطا بھی مضر ہے کہ اگر نیت کی کہ زید کے پیچھے اقتدا کرتا ہوں، بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تو بکر تھا، تو اقتدا درست نہ ہوئی۔ لہذا جماعت کی کثرت کے وقت امام کے نام کی تعیین نہ کرے، بلکہ یوں نیت کرے کہ محراب میں جو بھی ہے اس کی اقتدا کرتا ہوں۔ ہاں اگر نیت یہی کی کہ جو بھی محراب میں ہے اس کی اقتدا کرتا ہوں، لیکن دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ وہ زید ہے، مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تو بکر تھا، تو اس کی وجہ سے اقتدا پر فرق نہیں پڑے گا۔ اس لیے کہ نیت میں زید کی تعیین نہیں تھی۔ (ہ) اگر امام کے لیے اشارہ بھی استعمال کیا اور نام بھی لیا، مثلاً کہا کہ اس امام کی اقتدا کرتا ہوں جو کہ زید ہے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ تو بکر ہے، تو اب بھی مضر نہیں کہ اشارہ اور تسمیہ جمع ہوں تو اعتبار اشارے کا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ نیت کی کہ اس امام کی اقتدا کرتا ہوں جو محراب میں ہے جو کہ زید ہے، بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ بکر ہے، تو اب بھی مضر نہیں کہ یہاں بھی تسمیہ لغو ہے۔ (و) اسی طرح میت

کی تعیین میں بھی خطا مضر ہے۔ لہذا میت کی تعیین نہ کی جائے۔ بلکہ یوں نیت کی جائے کہ جس میت پر امام نماز پڑھ رہا ہے، اس پر جنازہ کی نماز ادا کرتا ہوں۔

ملتقی الابحر مع مجمع الانہر میں ہے: "(ولا تشترط نية عدد الركعات) فإن نية عدد ركعاتها ليست بشرط في الفرض والواجب لأن قصد التعيين يغني عنه ولو نوى الفجر أربعا جاز "ترجمہ: رکعتوں کی تعداد کی نیت شرط نہیں ہے، بے شک نماز کی رکعات کی تعداد کی نیت فرض وواجب میں شرط نہیں ہے کیونکہ تعیین کا قصد اس سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اگر فجر کی چار رکعات کی نیت کی تو نماز درست ہو گئی۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانہر، باب صفة الصلوة، ج 01، ص129، کوئٹہ)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "ولو شرع فيها على أنها سبتية فإذا هي أحدية لا تصح "ترجمہ: اگر اس نماز کو اس بنا پر شروع کیا کہ وہ ہفتہ کے دن والی ہے جبکہ وہ اتوار والی ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ، ج02، ص162، کوئٹہ)

غنیۃ المستملی میں ہے: "كان عليه ظهر مثلا فظنه يوم السبت فصلاه بتلك النية فظهر انه لم يكن عليه الا ظهر يوم الاحد لا تصح تلك الصلوة ولا تجزيه عن ظهر يوم الاحد التي هي عليه "ترجمہ: جس پر مثلاً ظہر کی قضا لازم ہے اس نے ہفتہ کا دن گمان کرتے ہوئے اس نیت سے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر ظاہر ہوا کہ اس پر تو اتوار کی ظہر کی قضا ہے تو وہ نماز درست نہ ہوئی اور وہ نماز اس پر لازم اتوار کی ظہر کی طرف سے کافی نہیں ہوگی۔ (غنیۃ المستملی، کتاب الصلاۃ، الشرط السادس: النیۃ، ص222، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "ولو سأل القاضي الشهود عن لون الدابة وذكروا، ثم شهدوا عند الدعوى وذكروا الصفة على خلافه تقبل والتناقض فيما لا يحتاج إليه لا يضر كذا في الخلاصة. "ترجمہ: اگر قاضی نے گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا، انھوں نے بتایا۔ پھر دعوے کے وقت انھوں نے گواہی دیتے ہوئے اس (پچھلے بیان) کے برخلاف وصف بیان کیا تو گواہی قبول کر لی جائے گی اور جس چیز کی حاجت نہیں اس کے بیان میں تناقض کا ہونا مضر نہیں ہے، خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ج03، ص460، کوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "ولو كانت الفوائت كثيرة فاشتغل بالقضاء يحتاج إلى تعيين الظهر والعصر ونحوهما وينوي أيضا ظهر يوم كذا وعصر يوم كذا. كذا في فتاوى قاضي خان والظهيرية وهو الأصح. "ترجمہ: اگر فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوں پس وہ قضا کرنے لگے تو ظہر، عصر وغیرہ کی تعیین کی حاجت ہوگی اور وہ یوں بھی نیت کر سکتا ہے کہ فلاں دن کی ظہر، فلاں دن کی عصر، فتاوی قاضی خان اور ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ اور یہی اصح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوة، ج 01، ص66، کوئٹہ)

تبیین الحقائق میں ہے: "ولو اقتدى بالإمام ولم يخطر بباله أزيد هو أم عمرو جاز ولو نوى الاقتداء به وهو يظن أنه زيد فإذا هو عمرو جاز ولو نوى الاقتداء بزيد فإذا هو عمرو لا يجوز؛ لأنه نوى الاقتداء بالغائب "ترجمہ: اگر امام کی اقتدا کی اور دل میں یہ خیال نہیں کہ وہ زید ہے یا عمرو ہے تو اقتدا درست ہے اور اگر اسے زید سمجھتے ہوئے اس کی اقتدا کی نیت کی جبکہ وہ عمرو ہے تو بھی درست ہے اور اگر زید کی اقتدا کی نیت کی جبکہ وہ عمرو ہے تو درست نہیں کیونکہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی نیت کی جو وہاں موجود نہیں ہے۔

(تبیین الحقائق، باب شروط الصلاۃ، ج 01، ص100، ملتان)

فتاوی ہندیہ میں ہے:" ولو كان المقتدي يرى شخص الإمام فقال اقتديت بهذا الامام الذي هو عبد الله أو لا يرى شخص الإمام فقال اقتديت الإمام الذي هو قائم في المحراب الذي هو عبد الله فإذا هو جعفر جاز. كذا في المحيط وإذا نوى الاقتداء بزيد فإذا هو عمرو لم يجز. كذا في التبيين. وينبغي للمقتدي أن لا يعين الإمام عند كثرة القوم وكذلك في صلاة الجنازة ينبغي أن لا يعين الميت. كذا في الظهيرية." ترجمہ: اگر مقتدی امام کو دیکھ رہا تھا پس اس نے کہا: میں نے اس امام کی اقتدا کی جو کہ عبد اللہ ہے یا وہ امام کو دیکھ نہیں رہا تھا پس اس نے کہا: جو امام محراب میں کھڑا ہے، جو کہ عبد اللہ ہے، میں نے اس کی اقتدا کی۔ جبکہ وہ جعفر ہے تو اقتدا درست ہے۔ محیط میں اسی طرح ہے اور جب زید کی اقتدا کی نیت کی اور وہ عمرو نکلا تو درست نہیں، تبیین میں اسی طرح ہے اور مقتدی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ قوم زیادہ ہونے کے وقت امام کو معین نہ کرے اور اسی طرح جنازے میں مناسب یہ ہے کہ میت کو معین نہ کرے، ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، ج 01، ص 67، کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے:" فلو نوى الاقتداء بالإمام وهو يظن أنه زيد فإذا هو عمرو يصح إلا إذا نوى الاقتداء بزيد فإذا هو عمرو فإنه لا يصح؛ لأن العبرة لما نوى ولو كان يرى شخصه فنوى الاقتداء بهذا الإمام الذي هو زيد فإذا هو خلافه جاز؛ لأنه عرفه بالإشارة فلغت التسمية ومثل ما ذكرنا في الخطأ في تعيين الميت فعند الكثرة ينوي الميت الذي يصلي عليه الإمام" ترجمہ: اگر امام کی اقتدا کی نیت کی اور وہ اسے زید سمجھ رہا ہے جبکہ وہ تو عمرو ہے تو اقتدا درست ہے مگر جبکہ اس نے زید کی اقتدا کی نیت کی اور وہ عمرو ہے تو اقتدا درست نہیں کیونکہ جو اس نے نیت کی اسی کا اعتبار ہے اور اگر وہ اس شخص کو دیکھ رہا تھا اور اس نے اس طرح نیت کی کہ میں نے اس امام جو کہ زید ہے کی اقتدا کی نیت کی جبکہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو اقتدا درست ہے کیونکہ اس نے اسم اشارہ کے ساتھ جب اسے معین کر دیا تو نام لینا لغو ہو گیا، اس کی مثل وہ مسئلہ ہے جو ہم نے میت کی تعیین میں خطا کے بارے ذکر کیا، لہذا زیادہ میتیں ہونے کی صورت میں وہ اس میت کی نیت کرے جس پر امام نماز پڑھتا ہے۔ (البحر الرائق، باب شروط الصلاۃ، ج 01، ص 492، کوئٹہ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد عرفان مدنی

06 ذو القعدۃ الحرام 1441ھ/28 جون 2020ء